جلد 12 شمارہ 4 فروری 2010ء صفرؒ 1431ھ

ماہنامہ

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران وسرپرست

محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شادؔ

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق
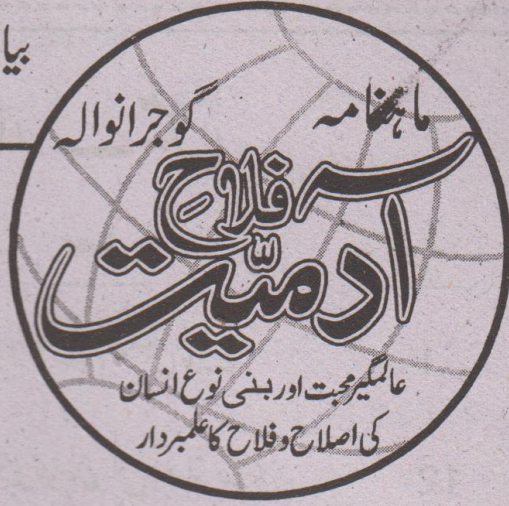
شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر : 0321-6400942

فیکس نمبر : +92-55-3736841

ای میل : info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

درس قرآن

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملکؒ

الحج

نام:

مناسکِ حج کی ادائیگی کی مناسبت سے اس صورت کا علامتی نام ''الحج'' رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

اس سورۃ کی کچھ آیات مکہ معظّمہ میں اور کچھ آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

مضامین

اس سورۃ میں مومنین، یہود، مجوس، کفارِ مکہ اور متردد و مذبذب نومسلموں سے خطاب ہے۔ کفارِ مکہ، یہود و مجوس کو یہ کہا گیا کہ تم نبی آخرالزمان ﷺ کے سلسلے میں ہٹ دھرمی اور ضد کو ترک کر کے ان کے پیغامِ رحمت کو قبول کرلو۔ بصورتِ دیگر جب عذابِ الٰہی آئے گا تو اس وقت تمہیں تمہارے معبودانِ باطلہ کے عجز و درماندگی کا علم ہوگا اور اس وقت تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ گے لیکن اس وقت تمہارا افسوس و ندامت تمہارے لئے ہرگز سودمند نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ قرآنِ مجید نے اپنے مخصوص انداز میں توحید و آخرت پر بھی مدلل اور بھرپور گفتگو کی ہے تا کہ سلیم الفطرت انسان پیغامِ ہدایت کے بارے میں غور و تدبر کرتے رہیں۔

کفار سے خطاب کے دوران میں ان کے اس رویہ پر گرفت کی گئی ہے جس کے نتیجے میں انہوں نے مسجدِ حرام کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ رکھا تھا اور بیت اللہ کی تولیت کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس موقع پر بیت اللہ کی تاریخ کا ذکر کر کے تنبیہہ کی گئی کہ اس گھر کی تعمیر ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی توحید کے اعلان اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے کی تھی۔ اس لئے تمہیں قطعاً اس بات کی اجازت یا حق نہیں کہ اپنی ذاتی دشمنی کی بناء پر کسی فردِ بشر کو بیت اللہ میں داخلے کی اجازت نہ دو۔ نیز مکہ کے نواح میں بسنے والے کفار کو یہ سوچنے کی دعوت دی کہ اگر مستقبل میں تمہارے تعلقات اہلِ مکہ سے کشیدہ ہو گئے تو کیا تم ان کے روکنے پر بیت اللہ جانے

اور حج وعمرہ ادا کرنے سے رُک جاؤ گے؟ یقیناً یہ بات تمہیں گوارا نہ ہوگی ۔تو آج سے اس غلط رویے کا تدارک کرو۔

کمزور اور مذبذب مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ تم نے جب ایمان قبول کرلیا ہے تو اس کے نتیجے میں ہر خطرہ برداشت کرنے کیلئے اپنے آپ کو تیار کرو۔ مصلحت اور مداہنت کا رویہ ترک کرکے میدانِ عمل میں اُترو گے تو رحمت الٰہی کا دامن تمہاری لئے کشادہ ہوگا۔ مومنین صادقین کو قریش کے ظلم وجور کا جواب طاقت سے دینے اور اس ظلم کا تدارک کرنے کا حکم ہے۔

کیونکہ اگر ظلم و جبر کا تدارک نہ کیا گیا تو اس دنیا میں دعبادتِ الٰہی کیلئے تعمیر کی گئی تمام عبادت گاہیں جابروں کی دست برد سے محفوظ نہ رہیں گی اور اسی مقصد کیلئے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا گیا۔

مومنین صادقین کو یہ تلقین کی گئی کہ اللہ تعالیٰ جب تمہیں غلبہ واقتدار دے دیں تو تم ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث بن کر اس دنیا میں امن وسلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرنا تاکہ مخلوقِ الٰہی اِس کائنات میں امن وسکون کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکے۔ نیز اقتدار وسلطنت مل جانے کے بعد جہاد، انفاق فی سبیل اللہ، اقامتِ صلوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور حج ایسے اعمال تمہارا وظیفہ حیات ہونے چاہئیں اور ان کی بنیاد تقویٰ یعنی خشیت الٰہی پر ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ فکر کے لئے چند نکات

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ۔ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ٥ یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ٥

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ کُلَّ شَیْطٰنٍ

مَرِيْدٍ o كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ o يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا۔ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ o ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّارَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِo

''لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے جس روز تم اِسے دیکھو گے، حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحث کرتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں حالانکہ اس کے تو نصیب ہی میں یہ لکھا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا، اِسے وہ گمراہ کر کے چھوڑے گا اور عذاب جہنم کا راستہ دکھائے گا۔ لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد از موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے اور پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر خون کی بوٹی سے، جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی ۔ یہ ہم اس لئے بتا رہے ہیں تا کہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں ۔ پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں۔ پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں تا کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد

کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے اور پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا تو یکا یک وہ بھبک اُٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اُگنا شروع کر دیں۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کو اُٹھائے گا جو قبروں میں جا چکے ہیں"۔

آیاتِ مندرجہ میں وقوعہ قیامت کے ذکر کے ساتھ انسان کو اپنی تخلیق کے مختلف مراحل اور کائنات کی مختلف انواع پر تدبر کی دعوت دی تا کہ انسان ان کے ذریعے سے یہ جان لے کہ جو اللہ ان تمام اشیاء کو مختلف انداز دے سکتا ہے، وہ انسان کو مار کر پھر پیدا بھی کر سکتا ہے اور دوبارہ پیدا کر کے وہ انسان کے اعمال کی جزا و سزا پر بھی قادر ہے۔

بدفطرت انسان کون؟

اِس تذکرے کے بعد اس گروہ کے بدفطرت انسان کا ذکر ہے جو اپنے رب سے غفلت کے باعث شیطان مردود کی دی ہوئی سوچ کے تحت اللہ کی واحدانیت کے خلاف جدال کرتا ہے۔ اس کی بابت یہ بات فرمائی کہ اس شخص نے نقصان دہ راستے کا انتخاب کر لیا ہے، جس میں نفع برائے نام ہے۔ اور اس گھاٹے کے سودے کے باوجود وہ اپنی ذات میں اس قدر مگن ہے کہ اسے احساس تک نہیں کیونکہ اس کو شیطان نے باور کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ کفر کے مقابل محمد کریم ﷺ کی مدد نہیں کرے گا اور یہ اپنے پیغام سمیت عنقریب ختم ہو جائیں گے۔ ان کو تنبیہ کرنے کیلئے فرمایا کہ کائنات کے ہر ذرے پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہے۔ آسمان کی بلندیوں پر چمکنے والا سورج اور زمین پر رینگنے والے حشرات الارض بھی اللہ کے احکام کے تابع ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ۔

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ٥

"جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے، اس کو عزت دینے والا کوئی نہیں" (الحج:18)

اس کے بعد اہل ایمان پر قیامت کے روز اور جنت میں ہونے والے انعامات کا تفصیلاً ذکر

کیا گیا ہے۔

تعمیر خانہ کعبہ کا مقصد

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ٥

''ہم نے ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ کو مقرر کیا (اور فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کیلئے میرے گھر کو صاف رکھا کرو''۔ (الحج:26)

آیتِ مذکورہ میں بیت اللہ کی تعمیر و بنا کا مقصد بتایا کہ یہ اس لئے بنایا گیا تھا کہ انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کے آگے سجدہ ریز نہ ہو۔ تعمیر بیت اللہ کا تفصیلی ذکر سورۃ بقرہ میں ہو چکا ہے۔

اعلانِ حج

جب بیت اللہ کی تعمیر و بنا مکمل ہو چکی تو اللہ ربُّ العزت نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ٥

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ٥

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ٥

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ٥

''اور (ہم نے ابراہیمؑ سے بھی کہا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس (حج کیلئے) چلے آئیں گے۔ پیدل بھی اور ان دبلی اُونٹنیوں پر بھی (جو سفر کے

مارے کمزور ہو گئی ہوں گی) جو دور دراز رستوں سے پہنچتی ہوں گی۔ تا کہ اپنے (دینی اور دُنیوی) فائدے کے کاموں کیلئے حاضر ہوں اور (قربانی کے) ایامِ معلوم میں مویشیوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقیر ودرماندہ کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں (یہ ہمارا حکم ہے) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ادب کی چیزوں کی عظمت رکھے تو یہ رب کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں۔ سوائے ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ بس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو"۔ (الحج: 27-33)

آیاتِ مذکورہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کیلئے حج کا اعلان کردو۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ یہ اعلان کر رہے تھے تو وہاں ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ سننے والا کوئی نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اذان لوگوں کو سنوا دی اگرچہ چند ہزار سالوں کا وقفہ آیا لیکن جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو لوگ اسی اعلان کے جواب میں "**لبیك اللھم لبیك**" کہتے ہوئے حج اور عمرے پر مستقل چلے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

شعائرُاللہ کی تعظیم

اس کے بعد شرک اور شعائر اللہ کے موضوع پر قرآنِ مجید کی آیات ہیں۔ شعائر، شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "مخصوص علامات" دین کی کچھ علامات ہوتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ٥

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ٥ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ٥

"یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو گویا وہ آسمانوں سے گر گیا۔ (اب یا تو) اسے پرندے اُچک لے جائیں گے یا ہوا اس کے دور جگہ لے جا کر پھینک دے گی (جہاں اس کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے)۔ یہ ہے اصل معاملہ! اس کو سمجھ لو اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام رکھے تو یہ (کام) دلوں کی پرہیز گاری سے ہے تم کو ان سے ایک وقت مقرر تک فوائد حاصل کرنا (جائز) ہے پھر اس کے (ذبح) حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے"۔ (الحج 31-32)

اس آیت کریمہ میں اللہ کے شعائر یعنی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتائی جا رہی ہے جو حج کے دنوں میں نمودار ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قربانی کے اونٹوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے شعائر میں سے بنا دیا ہے کہ اب ان اونٹوں کی پٹائی نہیں کرنا ہے اور نہ ہی ان سے شدید مشقت لینا ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں اور ان کی تعظیم کا بھی حکم ہے تو یہ دینی ادارے، درسگاہیں، علم کے مراکز، علماء، اساتذہ وغیرہ جو دین کے پشتی بان ہیں۔ کیا یہ شعائر اللہ نہیں؟ کیا ہمارے مدارس اور جامعات ایسے شعائر نہیں جہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ اپنے دین و ملک کا دفاع کر سکیں؟ کیا ان شعائر کی تعظیم ہمارے طلبہ پر واجب نہیں؟

پیار بھرا خطاب

اس کے بعد ان شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والوں کی دل جوئی و حوصلہ افزائی کیلئے یوں فرمایا:۔

لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌo

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِo

"اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور

مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں ۔اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔اللہ بڑا طاقت ور اور زبردست ہے ۔یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے"

(الحج 40-41)

بات سمجھانے کے انداز پر غور کیجئے کہ جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ اس کی مدد کرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو مدد کی ضرورت نہیں ہے ۔وہ صمد یعنی بے نیاز ہے، کائنات کی ہر چیز کو اس کی ضرورت ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے جبکہ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے لیکن یہ اسلوب اختیار کیا کہ جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ اس کی مدد کرے گا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے فرمانِ الٰہی ہے۔

مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ

"کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اُس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت زیادہ کر دے"۔ (البقرہ:245)

ذرا غور کیجئے! کہ اللہ کو کسی کی مالی اعانت اور قرض سے کیا سروکار؟ کیونکہ وہ تو خود ساری دنیا کو روزی بہم پہنچاتا ہے ۔یہ بالکل وہی اسلوب ہے جیسے ہم بچوں سے پیار کے انداز میں ان کی سطح پر اُتر کر گفتگو کرتے ہیں۔ روٹی کو "چوچی" کہتے ہیں۔ خود اپنے بچوں کو جیب خرچ دیتے ہیں اور پھر ہاتھ پھیلا کر ان سے قرض مانگتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ اسی انداز میں ہم سے بات کر رہے ہیں جو ہماری سمجھ کے مطابق ہے کہ انسان بھی تو ایسا ہی کرتا ہے کہ جو تمہاری ضرورت کا خیال کرتا ہے تم ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہو تو ایسا ہی ہمارے ساتھ کر لو کہ اللہ نے رسول بھیجا ہے تا کہ ہم اپنی زندگی اس کی راہ پر گزاریں اور یہی اللہ کی مدد ہے ۔ہم یہ کر لیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ہر موڑ پر ہماری مدد کرے گا کیونکہ وہ قوی و زبردست ہے ۔پھر اللہ کی مدد کرنے والوں کی چار صفات بیان کی ہیں۔

1۔ اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز کا نظام قائم کرتے ہیں۔

2۔ زکوٰۃ کا نظام قائم کرتا ہے۔

3۔ نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔

4۔ برائیوں سے روکتے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جن کی مدد اللہ کرتا ہے۔

اِسلامی حکومت کی ذِمہ داری

اس مقام پر اسلامی حکومت کی یہی چار بنیادی ذمہ داریاں مذکور ہیں اور کبھی غور کریں تو پتا چلے گا کہ انسان کی فلاح و بہبود انہی چار کاموں کے ذریعے سے ہوتا۔لیکن شرط یہ ہے کہ یہ کام تدبیر اور نظم کے ساتھ کئے جائیں تو انسان کے سارے مسائل ختم ہو جائیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍo

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِo

"کتنی ہی نافرمان بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا اور آج وہ اپنی چھتوں پر اُلٹی پڑی ہیں۔ کتنے ہی کنویں بے کار ہیں اور کتنے ہی محل کھنڈر بن چکے ہیں۔کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے ہو جائیں اور ان کے کان سننے والے ہو جائیں۔حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل جو سینوں میں ہیں، اندھے ہو جاتے ہیں" (الحج 45-46)

یعنی اگر تم مذکورہ چار کام نہیں کرو گے تو پھر تمہاری تباہی ہے اور پھر ہم تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو عاد، ثمود، قوم لوط اور اصحابِ مدین کے ساتھ کیا گیا۔دنیا میں تمہیں بڑے بڑے محل کھنڈروں کی شکل میں نظر نہیں آتے؟ قوم عاد اور ثمود کے لوگ کتنی قوت والے لوگ تھے،

ہم نے اُنہیں ختم کر دیا۔تمہارے پاس چشم بصیرت ہے تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ انسان کی فلاح کس کام میں ہے اور انسان کی بربادی کس کام میں۔لیکن افسوس کہ تم غور کرتے ہو اور نہ تمہاری سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کو کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔اور اس کا سبب یہ ہے کہ تمہاری آنکھوں کی بصارت تو قائم ہے مگر بصیرت غائب اور دل اندھا ہو چکا ہے۔

ایک تمثیل

سورۃ الحج کے آخر میں ایک مثال پر غور کی دعوت ہے تا کہ شرک سے بچنے کی اصل وجہ ہر صاحب شعور کو معلوم ہو جائے۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَا بًا وَّلَوِاجْتَمَعُوْا لَهٗ ۔ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ o مَا قَدَرُو اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ o

''اے لوگو!ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو!جن معبودوں کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے،وہ بھی کمزور!اِن لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے''۔ (الحج 73-74)

اِس مثال کے بعد اللہ ربُ العزت نے اپنی عبادت، جہاد، شہادتِ حق، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور اپنی ذاتِ جل جلالہ سے ہی وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۔ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ o مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۔ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ o

’’اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، رکوع اور سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو، تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کیلئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر، اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔ پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ ہے تمہارا مولا! بہت ہی اچھا ہے وہ مولا اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار‘‘۔ (الحج:77-78)

بارِ امانت اور عہد الست

محمد صدیق ڈار توحیدی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تخلیق کا مقصد

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انسان کو مسجود ملائکہ اور اشرف المخلوقات بنایا تو اس کے ذمے یقیناً کوئی ایسا کٹھن کام بھی لگایا ہو گا جو کسی دوسری مخلوق کے بس میں نہیں تھا۔ اس مقدس اور عظیم مہم کو سر کرنے کیلئے جو صلاحیتیں درکار تھیں وہ بھی اس علیم و خبیر مالک نے اسے عطا فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصود حیات کی اہمیت کے پیش نظر اولاد آدم سے کچھ عہد و پیمان عالم ارواح میں لے لئے تھے۔ اس باب میں ہم انہیں کے بارے میں گفتگو کریں گے اور یہ جائزہ بھی لیں گے کہ اس ازلی مشن کی تکمیل کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور ہم اس کے حصول میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں اس کی اہمیت جتلانے اور اسے اس کی زندگی کے مقصد سے آگاہ کرنے کیلئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ٥ (الذاریات۔55)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں''۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہاں بندگی یا عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی ہے۔ لیکن کچھ صحابہ کرام اور متاخرین کا کہنا ہے کہ لِیَعۡبُدُوۡنِ سے مقصود لِیَعۡرِفُوۡنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرنا ہے اور حقیقی عبادت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے بھرپور محبت کرتے ہوئے اس کی معرفت و قربت اور رضا و لقاء حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرز حیات کا نام ہی صراط مستقیم ہے اور قرآن کریم اس کی تصدیق ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ۔ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ٥

(ال عمران۔51)

''بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب بھی وہی ہے۔ اِسی کی بندگی کرو یہی ہے صراط

مستقیم''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا ہی وہ سیدھا راستہ ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ اللہ کی بندگی کی روح اس کی محبت اور معرفت ہے کیونکہ عبادت سے مراد اگر احکام کی اطاعت لی جائے تو پھر یہ جنوں اور انسانوں کیلئے کیونکر خاص ٹھہری۔ اس میں تو ہر مخلوق شامل ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے شعور کے مطابق اپنے خالق کو پہچانتی، اس کی تسبیح کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجمعہ۔1)

''جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے''۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَo (النور۔41)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی۔ سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ اللہ کو معلوم ہے''۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِo (الرحمٰن۔6)

''اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں''

ان آیات میں انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق کی تسبیح، سجدہ اور صلوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی اطاعت کا یہ حال ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنا اپنا فرض اس طرح ادا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔ یہ ہے زور آور اور زبردست اللہ کی تقدیر جس کا نباتات و جمادات کو پابند کر دیا گیا ہے۔ لیکن وہ ہمہ تن اور ہمہ وقت خالق سماوات و ارض کی بے خطا اطاعت میں مصروف رہنے کے باوجود بھی اس کی محبت کی نعمت سے محروم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت فاخرہ حضرت انسان کے وجود کے سوا کسی دوسری مخلوق پر سج ہی نہ سکی۔ اللہ رحیم و ودود نے صرف انسانوں

کے لئے فرمایا ہے۔ **یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ** (المائدۃ۔54) ''کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے جس بندگی کا تقاضا کیا گیا ہے اس سے مراد معرفت اور محبت سے خالی مشینی قسم کی اطاعت ہرگز نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تقدیر کے پابند ہیں نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

عرضِ امانت

بندگی کی اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لئے سورت الاحزاب کی آخری دو آیتوں کا بغور مطالعہ بہت ضروری ہے جن میں ایک خاص امانت کا ذکر کیا گیا ہے جسے حضرت انسان نے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب 72 تا 73)

''ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو دکھائی تو انہوں نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اس امانت کو دیکھا تو اس کی بھاری ذمہ داری کو قبول نہ کیا اور ناکامی کی صورت میں جو سزا ملنی تھی اس سے ڈر گئے۔ قرآن کریم کے ان الفاظ سے ہی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ معاملہ احکام کی اطاعت کا نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کئی مقامات پر یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں حکمرانی

صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ بھی کہ ہر چیز خوشی کے ساتھ اس کی تابع فرمان ہے تو پھر امانت کو نا لئے اور اس سے ڈرنے کی کیا بات تھی ۔اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ اپنے اعمال کے لئے ذمہ دار ٹھہرائے جانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو کمال تک پہنچانے کے کٹھن امتحان کا تھا اور جو بھی مخلوق اس چیلنج کو قبول کرتی اسے اس کے اعمال کے لئے ذمہ دار قرار دے کر جزا و سزا کا مستحق قرار دیا جانا تھا۔اس جرات آزما ذمہ داری اور امتحان سے پنجہ آزمائی کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا لیکن حضرت انسان جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اپنی محبت اور زمین کی خلافت سنبھالنے کے لئے کیا تھا وہ مصائب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اور انجام سے بے خطر شہادت گاہ الفت میں کود پڑا اور ظالم و جاہل کہلایا ۔علامہ اقبال شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

ظالم و جاہل اس لئے فرمایا کہ انسان کے اس فیصلے سے زندگی اس کے لئے ایک کٹھن آزمائش کی حیثیت اختیار کر گئی ہے ۔اب جو لوگ محبت کی امانت کو اس کے اصل مالک اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر کے اس کی حفاظت نہیں کریں گے یا اس میں غیر مستحق ہستیوں کو شریک کرلیں گے تو وہ گویا امانت میں خیانت کے مرتکب ہونگے ۔اسی لئے دوسری آیت میں فرمادیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور مشرکین مرد و زن کو اس جرم کی سزا دے گا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر پیمان محبت وفا کرنے کے عوض رحمت فرمائے گا اور انہیں انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازے گا۔ان آیات کا ایک ایک جزو اس خاص امانت کو اللہ تعالیٰ کی محبت ثابت کر رہا ہے ۔اب ہر انسان کو حیات ارضی کے دوران بہت زیادہ محتاط رہنے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکے ۔قرآنی فرمان:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین ۔4)

کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے بجا طور پر اس سے احسن عمل کی توقع رکھتے ہوئے ارشاد ہوا۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ''اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون احسن اعمال بجا لاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کیلئے کتاب نازل فرمائی اور ارشاد ہوا۔وَاتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ (الزمر۔55)''جو کتاب تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اس کے احسن احکام کی پیروی کرو''اور مزید احسان فرماتے ہوئے اپنے حبیب اور بنی نوع انسان کے محسن اعظم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا راستہ دکھاتے ہوئے فرمایا۔وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ o(البقرۃ۔195)اور تم احسن کارکردگی دکھاؤ بے شک اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔اتنے سارے احسن عوامل اکٹھے ہو جانے کی بناء پر مومن کیلئے مرتبہ احسان تک پہنچنے کے امکانات بڑے روشن ہیں۔اگر وہ اللہ کی محبت، کثرت ذکر اور تسلیم و رضا والی زندگی اختیار کر لے تو وہ مرتبہ و مقام حاصل کر سکتا ہے جہاں اللہ کی حضوری اور اس کے قرب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔اس عظیم کامیابی پر انہیں آخرت میں بھی اعلیٰ قسم کی جنتیں عطا کی جائیں گی جن کی بشارت ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ o(الرحمٰن۔60)میں دی گئی ہے کہ ''احسن اعمال کا بدلہ احسن جزا کے سوا کچھ نہیں ''جو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں اور کامل ہدایت کے لئے کئے گئے انتظامات سے پورا فائدہ نہ اٹھائیں گے ان کے لئے فرمان ہوا۔

اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (الاعراف۔179)''وہ چارپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ''ایسے لوگوں کو ہی ظلوم اور جہول کہا گیا ہے۔کیونکہ ظلوم اسی کو کہا جاتا ہے جو عدل کی صلاحیت اور مواقع ہوتے ہوئے بھی ظلم کرے اور جہول وہ ہے جو کھلی اور واضح نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں بند کر لے اور جہالت اور غفلت کو پسند کرے۔اسی لئے اوپر دی گئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ظلم و جہل اور شرک و نفاق سے بری قرار دیتے ہوئے ان سے رحمت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

عہد الست

بار امانت کی تفویض کے علاوہ ایک خصوصی عہد کا ذکر بھی قرآن کریم میں آیا ہے جو روز ازل ہی تمام ارواح انسانی سے لیا گیا تھا۔اس کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْابَلٰی شَهِدْنَااَنْ تَقُوْلُوْایَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّاكُنَّاعَنْ هٰذَاغٰفِلِیْنَ o اَوْ تَقُوْلُوا اِنَّمَااَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّاذُرِّیَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَابِمَافَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ o وَكَذٰالِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ o (الاعراف 172 تا 174)

''اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار لیتے ہوئے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔تا کہ قیامت کے دن کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی ۔یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد پیدا ہوئے۔تو کیا جو کام وہ اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے آپ ہمیں ہلاک کرتے ہیں اور اس طرح ہم آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ رجوع کریں''۔

اولادِ آدم کی ارواح سے جو بھی عہد و پیمان لئے گئے خواہ وہ میثاق انبیاء ہوں یا عام انسانوں کی ارواح کا عہد الست ہو لیکن ایک بات بلا شک وشبہ کہی جا سکتی ہے کہ مادی زندگی سے پہلے ہی ان کا انعقاد ان کی خصوصی اہمیت ثابت کرنے کیلئے کافی ہے اور یہ بھی کہ اس عہد و پیمان کا ہماری زندگی کے ساتھ یقیناً بڑا گہرا تعلق ہے۔

ان کا ذکر قرآن کریم میں اسی لئے کیا گیا ہے تا کہ انسان اپنے من کی دنیا میں غوطہ زن ہو کر عہد الست کی آواز کو سنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کی راہ پر گامزن ہو کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائے۔اوپر دی گئی آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے اپنی ربوبیت

کا عہد لیا اور بلا استثناء ہر روح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کیا۔اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ہر انسان ازلی طور پر سعید ہے۔لیکن یہی انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کیلئے پیدا فرمایا، جس نے تائیدوایزدی سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی امانت کو سینے سے لگایا، جس نے اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اس کی بندگی یا غلامی کرنے کا عہد کیا وہ حیات ارضی کے دوران راہ راست سے بھٹک کیوں جاتا ہے اس کا بیان آگے چل کر کریں گے۔یہاں ایک فکرانگیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے بارے میں پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ میں اسے زمین میں خلیفہ بنانے لگا ہوں۔دوسری یہ کہ میں نے اسے اپنی عبادت یعنی غلامی کیلئے پیدا کیا ہے اور تیسری یہ کہ اس نے محبت کی بھاری امانت اٹھا کر اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کر لی۔لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ جب اس سے عہد لیا گیا تو اس میں خلافت، عبادت اور امانت کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔عہد لیا گیا تو صرف اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہو؟ اس سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لینا ایک ایسا فیصلہ ہے جسے دین اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و مالک تسلیم کئے بغیر خلافت، عبادت اور امانت میں سے کسی ایک کی ذمہ داری بھی کماحقہ پوری نہیں کی جا سکتی۔یہی وجہ ہے کہ تمام ارواح سے اللہ کو اپنا رب ماننے کا عہد لیا گیا۔جو بھی انسان اس عہد پر قائم رہے گا وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کر کے فائز المرام ہو جائے گا۔اس سے پہلے کسی خطبے میں ہم ''رب اور عبد'' کے عنوان کے تحت یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ رب کے معنی کسی چیز کو درجہ بدرجہ کمال تک پہنچانے والی ہستی کے ہیں۔اس کے ساتھ ہی رب کے معنی محبوب آقا اور پیارے مالک کے بھی ہیں۔اس کے مقابلے میں عبد کے معنی غلام کے ہیں۔ یعنی ایسا شخص جو کسی دوسرے کی ملکیت ہو۔لہٰذا انسان کا کسی ہستی کو اپنا رب تسلیم کر لینا اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ وہ اس کا عبد یا غلام ہے۔اسی طرح اگر کوئی انسان یہ اقرار کرے کہ میں فلاں کا عبد ہوں تو اس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ اس ہستی کو اپنا رب یا آقا مانتا ہے۔میثاق الست سے ہر انسان پابند ہو چکا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا مطیع اور تابع فرمان بن کر رہے گا، سب سے زیادہ محبت بھی اسی سے کریگا اور زمین پر اس کی حکمرانی قائم کر کے خلافت ارضی کا حق ادا کریگا۔

اب تک ہم عالم ارواح میں ہونے والے جو تین اہم واقعات بیان کر چکے ہیں وہ یہ ہیں ۔

1 ۔اللہ تعالٰی نے انسان کو محبت اور معرفت والی اطاعت کیلئے پیدا فرمایا۔

2 ۔انسان نے اللہ کی محبت کی رکھوالی اور اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کر لی ۔

3 ۔ ہر انسان اللہ تعالٰی سے یہ عہد کر کے آیا ہے آپ ہی میرے رب اور میرے محبوب ہیں اور صرف آپ ہی کی بندگی یا غلامی کرونگا۔

اُوپر دی گئی آیات میں عہد الست کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس عہد کے بعد کوئی انسان خواہ وہ کسی ملک اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو قیامت کے دن یہ نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے اس بات کی خبر نہ تھی کہ اللہ میرا رب ہے اور اس کا عبد ہونے کی حیثیت سے مجھے اس کی فرماں برداری کرنی تھی ۔چونکہ اس دن مادی ظلمتوں کے سارے پردے اُٹھ جائیں گے اور ہر روح کو عہد الست یاد آ جائے گا۔اسی طرح اس عہد کے بعد ہر انسان پابند ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کی الوہیت اور ربوبیت میں کسی کو شریک نہ کرے اور اس معاملے میں وہ مشرک آباؤ اجداد کی تقلید ہر گز نہ کرے۔ کیونکہ ہر فرد ذاتی طور پر عہد کی پابندی کا ذمہ دار ہے اور بزرگوں کی تقلید اور زمانے کے ماحول کا بہانہ کسی کام نہ آئے گا۔اللہ تعالٰی نے یہ تفصیل بیان فرما دی ہے تا کہ انسان اپنے رب سے کئے ہوئے عہد کی طرف رجوع کر لے اور آخرت کی شرمساری اور خواری سے بچ جائے ۔ (جاری ہے)

حیرت انگیز سائنسی انکشافات

انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

بے شک جو سائنس کی انتہا ہے وہ قرآن کریم کی ابتدا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ o

''اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری ہے، (یہ ہماری ہے یا نہیں) تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ، اور اپنے سارے ہم نواؤں کو (بھی) بلا لو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو۔ اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر دکھاؤ (لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا)، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن ہیں انسان اور پتھر تیار کی گئی ہے منکرین کے حق کیلئے''۔ (سورۃ البقرۃ آیت 24-23)

قرآن کریم حق ہے اور چونکہ سائنس بھی حق کی تلاش میں سرگرداں ہے اس لئے بالآخر سائنس خود بخود قرآن کریم تک پہنچ رہی ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم اس سلسلہ میں جدید سائنس کی کچھ اہم ترین دریافتوں کے حوالہ سے دیکھیں گے جن کا آج سے تقریباً 1450ء سال پہلے قرآن کریم اصولی طور پر اعلان کر چکا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر طبیعیات کے بارے میں انکی باتیں صحیح ہیں تو پھر مابعد الطبیعیات کی باتوں پر کیسے شک کیا جا سکتا ہے؟ مندرجہ ذیل موازنہ کسی بھی سلیم الطبع انسان کی ہدایت کیلئے کافی ہونا چاہیے۔

کائنات ہمیشہ سے نہیں

بیسویں صدی کے نصف تک سائنس یہ کہتی آئی ہے کہ کائنات کو دوام حاصل ہے، یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن 1950ء کی دہائی میں ہونے والی دریافتوں نے

اس نظریہ کو بدل ڈالا اور اب سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کائنات بھی ایک تخلیقی عمل ہے جس کا کوئی پندرہ ارب سال پہلے اچانک بگ بینگ سے آغاز ہوا۔ سائنسدانوں کیلئے یہ بات حیران کن ہونی چاہیے کہ ان کی ان دریافتوں سے بہت پہلے قرآن کریم میں بار بار اعلان کیا گیا تھا کہ اللہ کائنات کا خالق ہے۔ اس نے اس کو شروع کیا اور وہی اسے ختم کرے گا۔ مثلاً **اِنَّــــهٗ هُــوَا يُبْدِیٴُ وَيُعِيْد** 85(13)''بے شک وہی ہے جو ہر چیز کو لاوجود سے وجود میں لاتا ہے اور پھر مار کر نئے سرے سے پیدا کرتا ہے''۔ **اِنَّـهٗ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض**۔''بے شک وہ آسمانوں اور زمین (کائنات) کا خالق ہے''۔ قرآن پاک میں اس نوعیت کی سینکڑوں آیات ہیں جو بار بار یہ بتاتی ہیں کہ کائنات یہ بتاتی ہیں کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں بلکہ دوام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔

اچانک تخلیقی امر کا اصول

قرآن کریم کا عام تخلیقی اصول خواہ اس کا تعلق بگ بینگ سے ہو یا کسی اور معاملہ سے، یہ ہے کہ تخلیقی امر ہمیشہ اچانک معرض وجود میں آئے گا۔ کوانٹم مکینکس (Quantum Mechanics) کی سائنس بھی یہی بتاتی ہے کہ ہر نئی تخلیق اچانک جست (Quantum Jump) سے ہوتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ قرآن کریم میں فیصلہ کن انداز میں یہ قانون قدرت موجود ہے کہ ہر نئی تخلیق دراصل اللہ کے امر کن کا جواب ہے۔

''اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'' 36(82)

''بے شک جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کا امر (حکم) صرف یہ ہے کہ ہو جا (کن) تو وہ ہو جاتا ہے (فیکون)''۔

کائنات پھیل رہی ہے

1924ء سے پہلے سائنس یہ سمجھتی تھی کہ کائنات مانند ایک جامد گولہ ہے جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ 1920ء کی دہائی میں امریکن سائنسدان ہبل (Hubble) نے ستاروں کے مشاہدے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ جس قدر کوئی ستارہ

دور ہے اسی قدر اس کی آگے بڑھنے کی رفتار بھی زیادہ ہے۔ سائنسدانوں نے ہبل کی اس دریافت سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر ستارے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں تو ماضی بعید میں ستارے اپنے موجودہ مقامات سے قریب تر ہونگے۔ مزید تحقیقات نے ثابت کیا کہ کائنات کی ہر سمت میں ستاروں کے آگے بڑھنے کا عمل جاری ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔

یہ کہ کائنات مسلسل وسیع تر ہو رہی ہے جدید سائنس کی یہ بہت بڑی دریافت تھی جس پر کئی سائنسدانوں کو نوبل پرائز بھی ملے ہیں۔ انتہائی حیران کن بات یہ ہے کہ ان دریافتوں سے بہت پہلے قرآن کریم نے اپنے انداز میں یہ حقیقت صاف طور پر واضح کر دی تھی کہ کائنات جامد نہیں بلکہ مسلسل کھل رہی ہے۔ فرمایا:۔

''وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ''(47)51

''اور ہم نے آسمان کو (کائنات) اپنے ہاتھ کے بل سے بنایا اور ہم یقیناً اس کو پھیلا رہے ہیں''

آیہ مبارک نہ صرف یہ بتاتی ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے بلکہ یہ بھی کہ کیوں پھیل رہی ہے۔ اللہ کے استعارہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بگ بینگ ایسے تھا جیسے لٹو کو گھما دیا جاتا ہے اور اس گھماؤ میں پھیلاؤ بھی ہے اور گھومنے کی حرکت بھی۔ چنانچہ آج سائنس یہ دیکھ رہی ہے کہ ایٹم سے لے کر گیلیکسیز تک ہر چیز اپنے اپنے مدار پر گھوم رہی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کی اتنی بڑی بات کو قرآن کریم نے تھوڑے سے الفاظ میں کس حیرت انگیز طریقہ سے واضح کر دیا۔ ماسوائے **سبحان اللہ** اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

ابتدائی مادہ کی شکل

یہ کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی ابتداء میں یہ ایک بے جسم طاقت کا گولہ ہوگی جو بگ بینگ سے پھٹ گیا۔ اس لمحہ اس میں دباؤ کی قوت اور درجہ حرارت لا انتہا تھا۔ سائنس بتاتی ہے کہ تخلیق کے کافی عرصہ بعد تک بھی دباؤ اور درجہ حرارت اربوں ڈگری رہا۔ اس دور میں کائنات محض توانائی اور مادہ کے بنیادی ذرات

(Fundamental Particles) پر مشتمل تھی جسے سائنس پرائیما رڈیل گیسز (Primordial Gases) کا نام دیتی ہے۔قرآن کریم اس دور کے متعلق فرماتا ہے کہ **ثُمَّ اسْتَوٰیٓ اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ** ''پھر وہ آسانوں کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ابھی تک دُخان مانند دھواں تھا''۔(11)41۔سبحان اللہ ابتدائے کائنات کی کیسی مثال ہے۔

کائنات کے پھیلاؤ اور توازن میں باہمی تعلق

سائنس بتاتی ہے کہ اس دور میں دباؤ اور درجہ حرارت کی وجہ سے کائنات میں شدید ہلچل تھی، کوئی توازن نہیں تھا۔توازن قائم کرنے کیلئے ایک خاص حجم (Critical Volume)ضروری تھا۔جوں جوں کائنات پھیلتی گئی اس کا درجہ حرارت اور دباؤ کم ہوتا گیا اور کائناتی مواد میں توازن آنے لگا۔سائنس کی یہ دریافت واقعی ایک کمال ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ جدید سائنس سے بہت پہلے قرآن نے کائنات میں توازن اور اس کے پھیلاؤ میں تعلق کو واضح کر دیا تھا۔فرمایا:'' **وَالسَّمَآءَ رَفَعَھَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ** ''(7)55۔''اور ہم نے آسانوں کو رفعت بخشی اور توازن قائم رکھا''۔یعنی کائنات میں توازن کیلئے پھیلاؤ ضروری ہے۔ستارے اس وقت معرضِ وجود میں آئے جب کائنات کسی حد تک کھل چکی تھی اور اس میں توازن پیدا ہو چکا تھا۔

رتقی کائنات(Super Black Hole)

کائنات کے آغاز کے متعلق جدید سائنس کی یہ بھی قابلِ فخر دریافت ہے کہ شروع میں ساری کائنات،ستارے،سیارے ہر چیز ایک جگہ اکٹھی مرکب تھی۔کوئی علیحدہ وجود نہیں تھا۔توانائی اور مادہ کے اس مکسچر کا نام بنیادی مادہ(Primordial Matter)رکھا گیا ہے۔قرآن کریم نے سائنس کی اس عظیم دریافت سے صدیوں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کبھی زمین و آسمان سب ہی ایک جگہ اکٹھے تھے۔فرمایا: **اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا** ۔''یعنی ان لوگوں نے جو(قرآن) کا انکار کرتے ہیں کیا یہ دیکھ نہیں لیا کہ سب آسمان اور زمین کبھی ایک مرکب(رتق) تھے اور پھر ہم نے انہیں علیحدہ

علیحدہ کر دیا''۔(سورۃ الانبیاء آیت ۳۰) رتق ایک ایسا مکسچر ہے جس میں اجزاء کی اپنی حیثیت واضح نہ ہو۔ سبحان اللہ ابتدائے کائنات کی اس سے بہتر تشبیہہ کیا ہو سکتی ہے پھر یہ رتق گولہ مثبت مادہ (Matter) اور منفی مادہ (Antimatter) میں پھٹ کر دو علیحدہ علیحدہ وجود کی شکل میں ہویدہ ہوا۔

ذرا آیت مبارکہ کے انداز خطاب پر بھی غور کر لیں۔ فرمایا **اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** کیا قرآن کا انکار کرنے والوں نے یہ نہیں دیکھا۔۔۔؟ یوں یہ آیت مبارکہ ایک پیشن گوئی بھی تھی۔ یعنی کائنات کے متعلق یہ سائنسی دریافت سب سے پہلے غیر مسلم کریں گے اور معاملہ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

پانی زندگی کیلئے ناگزیر حقیقت

سورۃ الانبیاء کی آیت مبارکہ 30 کے اگلے حصہ میں ایک اور بہت بڑی سائنسی دریافت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ بیالوجسٹ انیسویں صدی کے آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہر زندہ چیز، حیوانات و نباتات کا آغاز پانی سے ہوا۔ لیکن ان سے چودہ صدیاں پہلے قرآن پاک بتا چکا تھا۔''**وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ**'' یعنی ہم نے ہر ایک چیز جو زندہ ہے پانی سے بنایا، کیا تم پھر بھی ایمان نہیں لاؤ گے۔(سورۃ الانبیاء آیت ۳۰) آیت مبارک کا آخری حصہ **اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ** انسان کی ضمیر کو چیلنج ہے۔ کہ وہ اگر سائنس پر ایمان لاتا ہے تو قرآن پر کیوں نہیں لاتا جس نے سائنس سے بہت پہلے اس کی دریافتوں کو آشکارا کر دیا تھا۔

کائنات ہمیشہ کیلئے نہیں ہے

قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں بتایا گیا ہے کہ ہر چیز کی انتہا اس کی فنا ہے وقت مقرر ہو چکا ہے جب زمین و آسمان، یعنی کی کبھی کائنات تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ پہلے تک سائنس قرآن کریم کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔ لیکن اب اس دریافت کے بعد کہ کائنات ایک تخلیق ہے سائنس اب قرآن کریم کی قیامت والی بات پر بھی یقین لانے لگی ہے کہ

یہ ہمیشہ کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ ایک وقت آنے والا ہے جب یہ ختم ہو جائیگی۔ نہ صرف یہ بلکہ سائنس قرآن کریم میں بتائے گئے قیامت کے مختلف واقعات اور مناظر کی بھی تصدیق کرنے لگی ہے۔ مثلاً سائنس اب اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ سورج کا ایندھن کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گا اور وہ سکڑ جائے گا۔ جبکہ قرآن کریم پہلے ہی یہ فیصلہ دے چکا تھا کہ "وہ دن آنے والا ہے جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور دیگر ستارے بھی اپنی روشنی کھودیں گے۔ فرمایا: **اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۔ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ** (سورۃ التکویر ۸۱۔ آیات ۱۔۲)

جہاں اور بھی ہیں

کائنات اپنی جگہ بجا لیکن سائنس اس مسئلہ پر سرگرداں ہے کہ کیا ہماری طرح کی زندگی اس میں کسی اور جگہ بھی ہے؟ قرآن یہ بتاتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہیے لیکن ستاروں کے درمیان فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ یہ بعید القیاس ہے کہ ان مخلوقات سے کبھی رابطہ قائم ہو سکے۔ بہر حال قرآن کریم کی ابتداء ہی اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے شمار دنیاؤں کا رب ہے۔ فرمایا **اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ** o "تعریف اس رب کی جو سب جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے"۔ عالمین جمع ہے عالم کی جس کا مطلب ہے کہ یہی ایک جہان نہیں بلکہ بے شمار ہیں جو "ہر دم اپنی بقا کیلئے اسی کے سوالی ہیں" فرمایا: **يَسۡـَٔلُهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۔ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ** (39)55 کہ جو کہیں بھی آسمانوں میں اور زمین پر ہیں اپنی ضروریات کیلئے اسی سے سوال کرتا ہے۔ یہ بھی بتایا کہ کائنات کا نظام انتہائی مستعد (Extremely Dynamic) ہے۔ اس میں ہر گز ہر گز جمود نہیں بلکہ ہر آنے والا وقت ایک نئی شان والا ہے۔ قرآن کریم کی آیات سے یہ بھی نظر آتا ہے کہ شاید وہ وقت دور نہیں جب زمینی انسان کی دوسری دنیاؤں کی مخلوقات سے ملاقات ہو۔

خلائی تسخیر

سائنس کی انتہائی کامیابیوں میں خلائی سفر کی استطاعت حاصل کرنا ہے۔ قرآن نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے خوشخبری دی، "ہاں تم زمین و آسمان کے کناروں (Horizons)

سے نکل سکتے ہو بشرطیکہ تم اس طاقت کا انتظام کرلو جو اس کام کیلئے لازم ہے"۔فرمایا: **یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا۔ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ** o (سورۃ الرحمٰن آیت ۳۳) انسان اب ایسے طاقتور راکٹ تو ایجاد کر چکا ہے جن پر بیٹھ کر وہ **اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (Neutral Gravational Zones) سے نکل چکا ہے لیکن سورۃ الرحمٰن کی اس سے اگلی آیت میں جس خطرے سے اسے خبردار کیا گیا ہے وہ مسلسل اپنی جگہ پر رہے گا۔فرمایا: **یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ۔ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ** o(سورۃ الرحمٰن آیت ۳۵) یعنی جب تم **اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** سے آگے جاؤ گے تو تم پر گرم گیسوں کی آگ حملہ آور ہوگی۔ یہ آگ کونسی ہے؟ سائنس نے اب جا کر معلوم کیا ہے کہ بیرونی فضاؤں میں ہمارے سورج جیسے اربوں ستارے ہر آن لا انتہا ریڈیشن (Radiation) کی بمبارڈمنٹ (Bombardment) اور انتہائی گرم گیسوں کی لہریں (Hot Solar Flares) پھینکتے رہتے ہیں جن سے بچ کر نکل جانا بڑی مشکل بات ہے۔ ہمارے اپنے سورج کے مدار میں بھی شمسی پھواریں ((Solar Flares اکثر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں، جن سے مواصلاتی سیاروں کو نقصان پہنچنے کا ہر وقت احتمال ہے۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو 1450 سو سال پہلے یہ باتیں کس نے بتائیں؟ (جاری ہے)

حضرت عُبادۃؓ بن صَامت انصاری

طالب الہاشمی

(۱)

۹ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے کا ایک جامع نظام وضع فرمایا۔ آپؐ نے عرب کے ہر قبیلے کی طرف الگ الگ مُحصِل روانہ فرمائے جو ان قبائل کا دورہ کرکے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کرکے آپؐ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں آپؐ نے اپنے ایک انصاری جاں نثار کو بھی بلا بھیجا۔ دراز قامت اور دوہرے بدن کے یہ وجیہہ اور خوش رو صاحب رسولؐ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے انہیں ان کے عہدے کا فرمان عطا کرتے ہوئے فرمایا: ''اپنے فرائض انجام دیتے وقت خدا سے ڈرنا، ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن چوپائے تک تمہارے خلاف فریادی ہو کر آئیں۔''

حضورؐ کا ارشاد سن کر ان صاحب کی آنکھیں بھر آئیں اور انہوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ خدا کی قسم مجھے دو آدمیوں پر بھی عامل بننے کی خواہش نہیں۔''

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن کر نہایت مسرور ہوئے کیونکہ جو شخص خود کسی عہدے کی خواہش کرتا تھا حضورؐ اس کو عامل یا مُحصِل مقرر نہیں فرماتے تھے۔ یہ صاحب رسولؐ جو دنیاوی عہدوں سے اس قدر بے نیاز تھے اور جن کی اس بے نیازی نے حضورؐ کو مسرور کیا، سیدنا حضرت عُبادۃؓ بن الصامت انصاری تھے۔

(۲)

حضرت ابوالولید عُبادۃؓ بن صامت تاریخ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہیں اور ان کی جلالت قدر پر مسلمانوں کے سبھی مکاتب فکر کا اتفاق ہے۔ فی الحقیقت ان کے حالات زندگی اتنے ولولہ انگیز ہیں کہ ان کو پڑھ کر ایمان میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت عُبادۃؓ کا تعلق خزرج کی شاخ بنو سالم سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عُبادۃؓ بن صامت بن قیس بن احرم بن فہر بن قیس بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔

والدہ کا نام قُرۃ العینؓ بنت عبادہ (بن نضلہ بن مالک بن عجلان) تھا۔ وہ بھی بیٹے کے ہاتھ

پر اسلام لائیں اور شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں۔

حضرت عُبادہؓ کی اُٹھتی جوانی تھی کہ اسلام کا خورشید جہاں تاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا۔ ۱۱ھ بعد بعثت میں مدینہ کے چھ سعید الفطرت خزرجی سعادت اندوز اسلام ہو کر مکہ سے واپس آئے تو یہاں بھی چراغ سے چراغ جلنے لگا۔ عُبادہ ایک جوان صالح تھے۔ ان کے کانوں میں جونہی دعوت حق کی آواز پڑی، انہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا۔ اگلے سال حج کے موقع پر حضرت عُبادہؓ بن صامت قبیلہ خزرج کے نو اور قبیلہ اوس کے دو مسلمانوں کے ساتھ مکہ جا کر عقبہ کے مقام پر رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ تاریخ میں یہ بیعت ''بیعت عقبہ اولیٰ'' یا ''بیعت نساء'' کے نام سے مشہور ہے۔ خود حضرت عُبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ان باتوں پر بیعت لی:

''یہ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کسی پر بہتان نہیں لگائیں گے۔ کسی امر معروف میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے اور آپ کا حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہم آسودہ حال ہوں یا تنگ دست اور خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ کسی کو ہم پر فوقیت دی جائے، ہم حکومت کے معاملے میں اہل حکومت سے نزاع نہ کریں گے (اگر چہ ہم سمجھتے ہوں کہ حکومت میں ہمارا حق ہے) اِلّا یہ کہ ہم کھلا کھلا کفر دیکھیں اور یہ کہ ہم جہاں اور جس حال میں بھی ہوں حق بات کہیں گے اور لومتہ لائم سے نہ ڈریں گے۔''

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا:

''تم میں سے جس کسی نے ان باتوں کو پورا کیا اس کے لیے جنت ہے اور جو کوئی ان میں سے کسی فعل قبیح کا مرتکب ہوا اور اسے اس دنیا میں اس فعل کی سزا مل گئی تو یہ سزا اس کے کے لیے کفارہ گناہ ہو جائے گی اور ستارالعیوب نے جس کی پردہ پوشی کر لی تو اس کا انجام رب قدیر کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے تو معاف کر دے۔''

اس بیعت کو ''بیعت نساء'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے الفاظ سے مشابہہ ہیں جو چند سال بعد قرآن حکیم (سورہ ممتحنہ) میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔

۱۳ھ بعد بعثت میں بیعت عقبہ کبیرہ (یا لیلتہ العقبہ) کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا جس نے

تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اس میں مدینہ کے پچھتر اہل ایمان نے عقبہ کی گھاٹی میں رحمت عالم ﷺ کی بیعت اس مقدس پیان وفا کے ساتھ کی کہ آپؐ مدینہ تشریف لائیں تو ہم آپؐ کی اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اسی طرح حفاظت اور نصرت کریں گے۔ جس طرح اپنی جانوں اور اہل و عیال کی کرتے ہیں۔

اسی موقع پر سرور عالم ﷺ نے ان پچھتر اہل ایمان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ میں دشمنوں پر غالب آ جاؤں تو تمہیں چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس آ جاؤں بلکہ تمہارا خون میرا خون میری آبادی تمہاری آبادی اور تمہاری بربادی میری بربادی ہو گی۔ تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں جس سے تم صلح کرو گے۔ اس سے میں صلح کروں گا جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا۔ غرض میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے۔''

ان پچھتر اہل ایمان میں حضرت عُبادہؓ بن صامت بھی شامل تھے۔ یہ وہ عظیم انسان تھے جنہوں نے اس وقت رحمت عالم ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ آپؐ کی حمایت و حفاظت کا عہد کیا۔ جب سارا عرب شمع رسالت کو بجھانے پر تلا ہوا تھا۔ وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ اس نازک موقع پر مکہ کے دریتیمؐ کا ساتھ دینا سارے عرب کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف تھا اور اس کے نتیجے میں ان کو ہولناک خطرات اور مصائب پیش آ سکتے تھے۔ ان سب باتوں کے علی الرغم انہوں نے مردانہ وار والہانہ عقیدت سے اپنے ہاتھ سید الانام ﷺ کے دست مبارک میں دے دیئے اور اپنے مستقبل اور قسمت کو حضورؐ کی ذات گرامی سے وابستہ کر لیا۔ ان کی یہی بے مثال جرأت تھی کہ خلفائے اربعہؓ، ازواج مطہراتؓ اور مہاجرین اولینؓ کے بعد اہل عقبہؓ کو دوسرے تمام صحابہؓ (بشمول اصحابؓ بدر) پر ابد تک فضیلت حاصل ہو گئی۔

بیعت کے بعد سرور عالم ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ اپنے دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے میں سے بارہ آدمی بحیثیت نقیب منتخب کر لو۔ اس ارشاد کے مطابق انصار نے باہمی مشورہ سے بارہ نقیب منتخب کیے۔ ان میں سے نو خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور تین اوس سے۔ خزرجی نقباء میں سے ایک حضرت عُبادہؓ بن صامت تھے، انہیں حضورؐ نے بنو قوافل کا نقیب مقرر فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ نے انصار کو مراجعت کی اجازت بخشی۔

(۳)

حضرت عُبادہؓ بن صامت بیعت عقبہ کبیرہ سے مشرف ہو کر مدینہ واپس آئے تو اُن کی جوش

ایمان کا یہ عالم تھا کہ سب سے پہلے اپنی والدہ قُرۃ العین ؓ کو دائرہ اسلام میں لائے، اس کے بعد اپنے قبیلے کے بت پرستوں کے گھروں میں جا جا کر ان کے بتوں کو توڑنا شروع کیا۔ خاندان بلی بنو نوافل کا حلیف تھا۔ اس کے ایک صاحب کعب ؓ بن عجرہ، حضرت عُبادہ ؓ کے دوست تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک بڑا سا بت بنا رکھا تھا اور بڑے التزام سے اس کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت عُبادہ ؓ ایک دن موقع پا کر کعب کے گھر گئے اور ان کے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، پھر کعب کو سمجھایا کہ یہ بت اپنی حفاظت نہیں کرسکتے تو تمہارے کیا کام آئیں گے۔ کعب کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور تھوڑے عرصہ بعد وہ بھی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ مُسندِ احمد بن حنبل ؒ میں ہے کہ بیعت سے واپس آ کر حضرت عُبادہ ؓ ہر وقت حضرت سرورِ دو عالم ﷺ کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے بیتاب رہتے تھے، چنانچہ ہجرت نبویؐ سے قبل تھوڑے تھوڑے دنوں کے وقفہ سے دو مرتبہ مکہ جا کر حضورؐ کی زیارت کی۔

رحمت عالم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو حضرت عبادہ ؓ کو گویا سارے جہان کی نعمتیں مل گئیں۔ اپنے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہ رسالتؐ میں گزارتے تھے اور فیضانِ نبوی سے خوب خوب بہرہ یاب ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ علم و فضل کے اعتبار سے اتنے بلند مرتبہ پر پہنچ گئے کہ اسلام کی پہلی درسگاہ جو اصحاب صفہؓ کے لیے قائم ہوئی، وہ اس کے معلم مقرر ہوئے۔

ہجرت کے پانچ ماہ بعد سرورِ عالم ﷺ نے حضرت انس ؓ کے مکان میں مہاجرین و انصار کو جمع کیا۔ اور ان میں مواخاۃ (برادری) قائم کی۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عُبادہ ؓ بن صامت کو جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت ابو مرشد غنوی ؓ کا دینی بھائی بنایا۔

علم کے حصول کے ساتھ ساتھ حضرت عُبادہ ؓ راہِ حق میں جان و مال کی قربانی پیش کرنا زندگی کا عظیم تر مقصد سمجھتے تھے۔ وہ ایک سراپا ایثار مجاہد تھے اور موت کو خوف کبھی ان کے عزم و ارادہ میں حائل نہیں ہوتا تھا۔ غزوات کا آغاز ہوا تو انہوں نے بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں رحمت عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر معرکے میں والہانہ جوش و خروش کے ساتھ سرفروشی کا حق ادا کیا۔

سرورِ عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو یہود مدینہ سے صلح و امن کا ایک تحریری معاہدہ کیا تھا۔ ۲ ہجری کے وسط میں یہودی قبیلے بنو قینقاع نے عہد شکنی کی اور عملاً یہ معاہدہ توڑ دیا۔

بنو قینقاع مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے۔اس قبیلہ کے لوگ عام طور پر صناع اور زراعت پیشہ تھے۔آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا۔(قین عربی میں لوہار کو کہتے ہیں اور رقاع اس ہموار اور نرم زمین کو جس میں کھیتی کی جا سکے) مال و دولت اور ہتھیاروں کی بہتات نے ان لوگوں کو بہت مغرور بنا دیا تھا، چنانچہ جو مسلمان ان کے محلے یا بازار سے گزرتے ان پر آواز سے کسا کرتے تھے۔یہاں تک کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کر دی جس پر مسلمانوں اور یہودیوں میں جھگڑا ہو گیا۔اس میں ایک مسلمان شہید ہوا اور ایک یہودی مارا گیا۔حضورؐ کو ان لوگوں کی شرارتوں کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے انہیں راہ راست پر آنے کی تلقین فرمائی۔اس کے جواب میں انہوں نے بڑ ہانکی کہ محمدﷺ بس قریش پر ہی غالب آ گئے کہ انہیں فنون سپہ گری کا علم نہیں تھا۔اگر محمدﷺ کا مقابلہ ہم سے ہوا تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ لڑائی کیا ہوتی ہے اور ہم کس طرح لڑتے ہیں۔

بنو قینقاع کا جواب ان کے خبث باطن کا غماز تھا اور اب وقت آ گیا تھا کہ انہیں عہد شکنی اور فساد انگیزی کی قرار واقعی سزا دی جائے۔سرور عالمﷺ نے حکم دیا کہ ان کے محلے کا محاصرہ کر لیا جائے۔پندرہ دن کے محاصرے ہی میں ان لوگوں کے کس بل نکل گئے اور انہوں نے غیر مشروط اطاعت قبول کر لی۔لیکن حضورؐ نے ان کے اخراج کی نگرانی کے لیے حضرت عبادہؓ بن صامت کو مقرر فرمایا۔اس سے پہلے حضرت عبادہؓ کے ان لوگوں سے حلیفانہ تعلقات تھے لیکن جب قرآن کریم کا یہ حکم نازل ہوا کہ "اے مسلمانو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ"، تو انہوں نے بنو قینقاع سے اپنا دیرینہ تعلق یک قلم منقطع کر لیا اور راو رنہایت مستعدی سے ان لوگوں کے اخراج البلد کی نگرانی کی۔

۶ھ میں صلحنامہ حدیبیہ سے پہلے بیعت رضوان کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔حضرت عُبادہؓ بن صامت بھی ان چودہ سو صحابہؓ میں شامل تھے جنہوں نے اس موقع پر سرور عالمﷺ کے دست مبارک پر موت کی بیعت کی اور بارگاہ خداوندی سے "اصحاب الشجرہ" کا لقب اور کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت پائی۔

۸ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر حضرت عبادہؓ رحمت عالمﷺ کے ہمرکاب ان دس ہزار جانبازوں میں شامل تھے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے "کتاب استشاء" میں یوں پیشین گوئی کی گئی تھیں:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ کوہ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔"

غرض کوئی ایسا غزوہ نہیں تھا جس میں حضرت عُبادہؓ نے ایثار وفداکاری کا ثبوت نہ پیش کیا ہو اور عہدِ رسالت کا کوئی شرف ایسا نہیں تھا جو انہیں حاصل نہ ہوا ہو۔ یہ حضرت عُبادہؓ بن صامت کا جذبہ فدویت اور دوسرے اوصاف ومحاسن ہی تھے جنہوں نے ان کو محبوب رب دو جہاں کا محبوب بنا دیا تھا۔

مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عُبادہؓ صاحب فراش ہو گئے تو خود سید الانام ﷺ چند صحابہ کے ہمراہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا: "عُبادہ جانتے ہو شہید کون ہے؟" انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ ذرا مجھے تکیہ کے سہارے بٹھادو۔ بیٹھ گئے تو عرض کی: "یا رسول اللہؐ شہید وہ ہے جو شرف ایمان سے بہرہ ور ہو، راہ خدا میں ہجرت کرے اور جہاد فی سبیل اللہ میں کام آئے۔" حضورؐ نے فرمایا: "اس صورت میں تو شہیدوں کی تعداد بہت کم ہو گی۔ قتل ہونا، پانی میں ڈوب کر مرنا، ہیضہ سے مرنا اور عورت کا زچگی میں مرنا، اس قسم کی تمام اموات شہادت میں داخل ہیں اور ان میں مرنے والے شہید ہیں۔"

مسند احمد ہی روایت ہے کہ سنہ ۱۱ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ سفر آخرت سے پہلے علیل ہوئے تو حضرت عُبادہؓ کی بیقراری کا عجیب عالم تھا۔ روزانہ بلا ناغہ صبح شام عیادت کے لیے حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں حضورؐ نے ایک دن حضرت عُبادہؓ کو ایک دعا بتائی اور فرمایا کہ یہ دعا مجھ کو جبریل امین نے بتائی تھی۔

(۴)

سرورِ عالم ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت عُبادہؓ بن صامت نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ درس وافتاء، وعظ وہدایت اور بعض اہم حکومتی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں گزارا، تاہم ان کے دل میں جذبہ جہاد کی شمع ہمیشہ فروزاں رہی، جس وقت بھی موقع ملتا سربکف میدان جہاد میں پہنچ جاتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں شام پر لشکر کشی ہوئی تو حضرت عُبادہؓ بھی مجاہدین اسلام میں شامل ہو گئے اور کئی معرکوں میں اپنی سرفروشی کے جوہر دکھائے۔ اپنی غیر معمولی شجاعت اور جاں بازی کی بدولت حضرت عُبادہؓ کو شجاعانِ عرب میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا تھا اور ان کو ایک ہزار شہسواروں کے برابر تسلیم کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی کے کئی معرکوں میں بھی انہوں نے اپنی

شجاعت و بسالت کی دھاک بٹھا دی۔ ۲۱ ہجری میں انہوں نے تسخیر اسکندریہ کے سلسلے میں جس عزم و ہمت، بے خوفی اور دلاوری کا مظاہرہ کیا، مورخین نے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مصر کی مہم پر حضرت عمروؓ بن العاص کو مقرر فرمایا تھا۔ انہوں نے تھوڑے ہی عرصے میں باب الیون، عریش، بلبیس، قسطاط وغیرہ کئی مصری شہروں کو فتح کرلیا۔ پھر اسکندریہ کی طرف بڑھے، مصریوں نے قلعہ بند ہو کر زبردست مقابلہ کیا اس سے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ جب کئی ماہ تک اسکندریہ فتح ہونے میں نہ آیا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے دارالخلافہ سے مدد مانگ بھیجی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے چار ہزار سوار بطور کمک روانہ کیے جو چار افسروں کی ماتحتی میں تھے۔ یہ چار افسر حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت مقدادؓ بن اسود کندی، حضرت مسلمہؓ بن مخلد اور حضرت عبادہؓ بن صامت تھے جو فن سپہ گری میں تمام عرب میں انتخاب تھے۔ یہ کمک روانہ کرتے وقت حضرت عمر فاروقؓ جیسے مردم شناس نابغۂ عظیم نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ ان افسروں میں ہر شخص ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ اس بناء پر یہ فوج چار ہزار نہیں بلکہ آٹھ ہزار ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو یہ ہدایت بھی کی کہ جس وقت میرا یہ خط تم کو ملے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے جہاد کے فضائل بیان کرو اور جن چار افسروں کو میں نے بھیجا ہے ان کو فوج کے آگے کر کے جمعہ کے دن حملہ کرو۔

حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس یہ کمک پہنچی تو انہوں نے فوج کے سامنے حضرت عمر فاروقؓ کا خط پڑھا، اسے سن کر مجاہدین میں زبردست جوش پیدا ہوگیا۔ جمعہ کے دن حضرت عمروؓ بن العاص نے فوج مرتب کر کے اسکندریہ بھرپور حملے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے حضرت عبادہؓ بن صامت سے ان کا نیزہ لیا اور اس پر اپنا عمامہ لٹکا کر ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ یہ پرچم لیجئے اور اس فوج کی قیادت کیجئے، آج آپ ہی امیر عسکر ہیں۔ حضرت عُبادہؓ نے نہایت جوش سے ایسا زبردست حملہ کیا کہ رومیوں کے دفاعی استحکامات درہم برہم ہو گئے اور ان کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ بحری و بری راستے سے جدھر راہ ملی بھاگ نکلے اور مسلمان فاتحانہ شان سے اسکندریہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت عبادہؓ بن صامت نے جس زمانے میں یہ کارنامہ سرانجام دیا، وہ تقریباً ساٹھ برس کے پیٹے میں تھے۔ اس عمر میں اس بے جگری سے میدان رزم میں اترنا کسی ایسے شخص ہی کا کام ہوسکتا تھا جو غیر معمولی عزم و ہمت کا مالک ہو اور شجاعت و بسالت میں بھی اپنا جواب آپ ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبادہؓ کی شجاعت اور جاں بازی ہی کے قائل نہیں تھے بلکہ ان کے علم وفضل اور دوسرے اوصاف حمیدہ کے بھی دل سے معترف اور مداح تھے۔انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عبادہؓ کو فلسطین کا قاضی مقرر کیا۔اس زمانے میں اس صوبے کی امارت پر امیر معاویہؓ فائز تھے۔ان سے کسی بات پر تکرار ہوگئی۔امیر معاویہؓ نے کچھ سخت الفاظ کہہ دیئے۔جو حضرت عبادہؓ کو ناگوار گزرے اور وہ ان سے یہ فرما کر فلسطین سے مدینہ آ گئے کہ آئندہ جہاں آپ رہیں گے میں نہ رہوں گا۔

حضرت عمر فاروقؓ کو ان کے مدینہ آنے کی اطلاع ملی تو ان سے یکا یک واپس آنے کا سبب پوچھا۔انہوں نے واقعہ بیان کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ''میں آپ کو ہرگز وہاں سے نہ ہٹاؤں گا۔دنیا آپ ہی جیسے بزرگوں کے دم قدم سے قائم ہے جہاں آپ جیسے لوگ نہ ہوں گے خدا اس زمین کو خراب اور ویران کردے گا۔آپ اپنی جگہ پر واپس جائیے۔میں آپ کو معاویہؓ کی ماتحتی سے علیحدہ کیے لیتا ہوں۔''

ساتھ ہی امیر معاویہؓ کو بھی اسی مضمون کا خط لکھ دیا۔

علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح امیر شام نے حضرت عبادہؓ کو حمص کی نیابت پر مامور کیا۔اپنے زمانہ نیابت میں انہوں نے لاذقیہ فتح کیا۔اس مہم کے دوران میں انہوں نے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے جن میں ایک شخص اپنے گھوڑے سمیت بخوبی چھپ سکتا تھا۔یہ تدبیر عسکری نقطہ نظر سے اتنی کارآمد ثابت ہوئی کہ مدتوں یورپی اقوام بھی اس پر عمل کرتی رہیں۔

حمص کی نیابت سے فارغ ہو کر حضرت عبادہؓ نے فلسطین میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ فلسطین کا علاقہ اس زمانے میں شام ہی میں داخل تھا اسی لیے بعض نے ان کا مستقر شام لکھا ہے شام میں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اخیر دم تک بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ انجام دیتے رہے۔اس معاملے میں وہ حق کی شمشیر برہنہ تھے اور مصلحت کیشی ان کو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔شام میں انہوں نے دیکھا کہ لوگ خرید وفروخت اور لین دین میں شرعی احکام اور حدود کی پابندی نہیں کرتے۔اس پر برافروختہ ہو گئے اور ایک اجتماع عام میں پرزور خطبہ دیا جس نے لوگوں میں ہیجان برپا کر دیا۔مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ امیر معاویہؓ بھی وہاں موجود تھے۔انہوں

نے فرمایا: ''آپ نے بیع وشری کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی جو حدیث بیان کی ہے، حضورؐ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا۔'' اس پر حضرت عبادہؓ کو غصہ آ گیا کیونکہ وہ ہر لحاظ سے امیر معاویہؓ پر فضیلت رکھتے تھے، بڑے جوش سے فرمایا۔ ''مجھے معاویہؓ کے ساتھ رہنے کے مطلق پروا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا تھا جو میں نے آپ لوگوں کے سامنے بیان کیا۔''

اسی قسم کے کچھ اور واقعات حضرت عبادہؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف کا باعث بن گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تو اپنے عہد خلافت میں اس اختلاف کو بڑھنے نہ دیا اور دونوں بزرگوں کا دائرہ کار الگ الگ مقرر کر دیا، لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں جب امیر معاویہؓ پورے شام کے باقتدار گورنر بنے تو انہوں نے دربار خلافت میں شکایت لکھ بھیجی کہ عبادہؓ بن صامت کے خطبات و مواعظ سے لوگوں میں شورش پھیلتی ہے، انہیں شام سے بلا لیجئے یا میں شام کی خلافت سے دستبردار ہو جاؤں۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبادہؓ کو شام سے بلا بھیجا۔ وہ دربار خلافت میں پہنچے وہاں بہت بڑا مجمع تھا جا کر چپکے سے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے، حضرت عثمانؓ نے اتفاقاً نظر اوپر اٹھائی تو حضرت عبادہؓ کو سامنے موجود پایا، ان سے پوچھا، ''فرمایئے تو یہ کیا معاملہ ہے۔؟'' امیر المومنین کا ارشاد سن کر حضرت عبادہؓ کے جذبہ حق گوئی کو مہمیز لگی، اٹھ کھڑے ہوئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء معروف کو منکر سے اور منکر کو معروف سے بدل دیں گے۔ ناجائز امور جائز سمجھے جانے لگیں گے۔ لیکن معصیت کے کاموں میں کسی کی اطاعت جائز نہیں تم لوگ ہرگز بدی سے اپنے آپ کو آلودہ نہ کرنا۔''

حضرت ابوہریرہؓ وہیں بیٹھے تھے۔ انہوں نے کچھ دخل دیا تو فرمایا کہ:

''تم اس وقت موجود نہیں تھے جب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ان شرائط پر بیعت کی تھی کہ چستی اور کاہلی ہر حالت میں آپؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے، آسودہ حال ہوں یا تنگ دست ہر صورت میں اپنے مال سے آپؐ کی مدد کریں گے۔ لوگوں کو اچھی باتیں پہنچاتے رہیں گے اور بری باتوں سے روکتے رہیں گے۔ حق گوئی اور راست مقالی میں کسی سے خم نہیں کھائیں گے، آپؐ یثرب تشریف لائیں تو آپؐ کی نگہبانی اور حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنی جان و مال اور اولاد کی کرتے ہیں۔ ان سب شرائط کو پورا کرنے کے صلہ میں جنت ملے گی۔ پس اس بیعت میں حضورؐ سے کیے گئے وعدوں کی پابندی کرنا ہم پر لازم ہے اور جو نہیں کرتا وہ خود اپنا ذمہ دار

ہے۔''(مسند احمد حنبل)

(۶)

حضرت عبادہؓ بن صامت اپنی ولولہ انگیز زندگی کی ۷۲منزلیں طے کر چکے تو سخت علیل ہو گئے۔لوگوں کو علم ہوا تو وہ عیادت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ان میں بڑے بڑے صحابہ اور تابعین بھی شامل تھے۔بیماری اگر چہ بہت تکلیف دہ تھی اور جانبری کی کوئی امید نہ تھی،لیکن ان کی زبان پر ہر وقت شکر خدا جاری رہتا ہے،جلیل القدر صحابی حضرت شدادؓ بن اوس انصاری کچھ آدمیوں کے ساتھ بیمار پرسی کے لیے آئے تو ان سے فرمایا،اللہ کے فضل سے اچھا ہوں۔امام بیہقیؒ اور ابن عساکر نے عبادہ بن محمدؓ سے روایت کی کہ جب حضرت عبادہؓ بن صامت کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے غلاموں،خادموں،پڑوسیوں اور ان لوگوں کو جو اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے،بلا لاؤ۔ان سب کو حضرت عبادہؓ کے پاس لایا گیا تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ شاید میرا یہ آخری دن ہو اور آج کی رات میری آخرت کی پہلی رات ہو،تم لوگوں کے ساتھ میرے ہاتھوں یا میری زبان سے کبھی کوئی زیادتی ہوئی ہو تو ایک ایک آئے اور مجھ سے بدلہ لے لے قبل اس کے کہ میری جان نکلے اور قیامت کے دن اللہ مجھ سے بدلہ لے۔لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تو ہمارے لیے بمنزلہ والد تھے اور ہم کو ادب سکھانے والے تھے۔حضرت عبادہؓ نے فرمایا، تم لوگوں نے مجھ کو معاف کر دیا،سب نے کہا،ہاں۔حضرت عبادہؓ نے کہا،اے میرے اللہ گواہ رہیو۔پھر فرمایا کہ اگر کوئی بدلہ نہیں لیتا اور سب نے معاف کر دیا تو میری وصیت پر عمل کرنا کہ مجھ پر رونا نہیں بلکہ جب میں مر جاؤں تو تم سب اچھی طرح وضو کر کے مسجد جانا اور نماز پڑھ کر میرے لیے مغفرت کی دعا کرنا۔مجھ کو میری قبر کی طرف جلدی لے چلنا،میرے پیچھے آگ نہ لے جانا اور نہ میرے نیچے ارغوانی رنگ کا کپڑا رکھنا۔(اس زمانہ کے جاہلوں میں میت کے پیچھے آگ لے جانے کا دستور تھا)۔

مسند احمد میں ہے کہ وفات سے پہلے بیٹے نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ وصیت کیجئے۔فرمایا،مجھے اٹھا کے بٹھاؤ۔بیٹھ گئے تو فرمایا:''تقدیر پر یقین رکھنا ورنہ ایمان کی خیر نہیں۔''

اسی حالت میں ان کے شاگرد رشید،مشہور تابعی حضرت ابو عبداللہ عبدالرحمان بن عسیلہ الصنابحی حاضر خدمت ہوئے۔شفیق استاد کو جاں کنی کے عالم میں دیکھا تو فرط غم سے رونے لگے۔حضرت عبادہؓ نے فرمایا کہ میں راضی برضا ہوں تم روؤ نہیں،انشاء اللہ شفاعت کی ضرورت

ہوگی تو شفاعت کروں گا،شہادت کی ضرورت ہوگی تو شہادت دوں گا۔غرض جہاں تک ہوسکا تمہیں نفع پہنچاؤں گا۔اس کے بعد فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا تھا تم لوگوں تک پہنچا دیا۔البتہ ایک حدیث باقی تھی اس کو اب بیان کردیتا ہوں۔حدیث بیان کرچکے تو آخری ہچکی لی اور یوں یہ آفتاب رشد و ہدایت ۳۴ھ ہجری میں اللہ تعالیٰ کی شفق رحمت میں غروب ہوگیا۔یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کا ہے۔

مدفن کے بارے میں اختلاف ہے،بعض نے بیت المقدس اور بعض نے رملہ لکھا ہے۔ حضرت عبادہؓ نے اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑے،ان کے نام ولید،عبداللہ اور داؤد تھے۔

(۷)

سیدنا حضرت عبادہؓ بن صامت سید الانام ﷺ کے ایک مخلص ترین شیدائی اور راہ حق کے ایک سرفروش مجاہد ہی نہ تھے بلکہ علم و فضل کے اعتبار سے بھی ان کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ اساطین امت میں شمار ہوتے ہیں اور فقہاء صحابہ میں خاص مقام رکھتے ہیں۔وہ ان پانچ انصاری صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے حضور رسالتمآب ﷺ کے سامنے ہی پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور خود ذات رسالت مآب ﷺ سے ایسے ذوق و شوق سے دینی تعلیم حاصل کی تھی کہ حدیث اور فقہ میں بھی درجہ کمال پر پہنچ گئے تھے۔اسی بناء پر ان کو یہ شرف وحید حاصل ہوا کہ دنیائے اسلام کی سب سے مقدس اور سب سے پہلی درسگاہ، جو حضورؐ نے اصحاب صفہ کے لیے قائم فرمائی،اس کے مہتمم اور معلم مقرر ہوئے۔اہل صفہ جو بڑے بلند مرتبہ صحابہ تھے ان سے تعلیم پاتے تھے اور قرأت و کتابت سیکھتے تھے۔امام حاکمؒ،امام بیہقیؒ اور طبرانیؒ نے حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مصروفیت زیادہ تھی،اس لیے جب آپؐ کے پاس کوئی آدمی ہجرت کرکے آتا، آپؐ اسے ہم میں سے کسی کے سپرد کردیتے جو اسے قرآن سکھاتا،چنانچہ آپؐ نے ایک آدمی مجھے دیا جو میرے گھر میں ہی رہتا تھا۔میں اسے قرآن پڑھاتا اور شام کو کھانا بھی کھلاتا،وہ جانے لگا تو اس نے خیال کیا کہ میرا اس پر کچھ حق ہے۔اس نے ایک کمان بطور ہدیہ دی۔میں تو اس سے عمدہ کمان لکڑی کے اعتبار سے اور مڑنے میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ عرض کیا:"آپؐ نے فرمایا کہ تیرے دونوں بازوؤں کے درمیان آگ کی چنگاری ہے۔اگر تو نے اس کو گردن میں ڈالا۔"اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبادہؓ لوگوں کو نہ صرف بلامزد تعلیم دیتے تھے بلکہ اپنے پاس سے ان کو کھانا بھی کھلایا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "اصابہ" میں امام بخاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "یزید بن ابی سفیانؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اہل شام کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان کو قرآن کی تعلیم دے اور فقہی احکام بتلائے۔ حضرت عمرؓ نے عبادہؓ بن صامت، معاذؓ بن جبل اور ابو الدرداءؓ کو شام کی طرف روانہ کیا۔ عبادہؓ نے علمی قابلیت مسلم تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ان کی شجاعت اور جوانمردی کے بھی معترف اور مداح تھے، حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر سے کمک مانگی تو امدادی فوج پر جن چار آدمیوں کو افسر بنایا، ان میں ایک حضرت عبادہؓ تھے۔ امیر المومنین نے حضرت عمروؓ بن عاص کو لکھا کہ یہ ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہیں۔

حضرت عبادہؓ بن صامت سے ۱۸۱ احادیث مروی ہیں، ان کے راویوں میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔ لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرتے تو اس بات پر خاص طور پر زور دیتے کہ یہ کسی دوسرے کے واسطے سے مجھ تک نہیں پہنچی بلکہ اسے میں نے خود رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سنا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہر وقت سرگرم رہتے تھے۔ گھر پر ہوں یا گھر سے باہر، مسجد میں ہوں یا کسی مجلس میں ہر جگہ بڑے لطف و انبساط کے ساتھ حضورؐ کے ارشادات لوگوں کو پہنچاتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ گرجے میں جا کر عیسائیوں کے سامنے بھی ارشادات نبوی کو دہرایا کرتے تھے۔ **تفقہ فی الدین** میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ لوگ ان کے پاس بڑے بڑے پیچیدہ مسائل لے کر آتے اور وہ ان کو آن واحد میں حل کر دیتے۔ مشہور تابعی حضرت جنادہؒ بن ابی امیہ کا قول ہے کہ حضرت عبادہؓ بن صامت کے فتاوی سے ایک جزو کا رسالہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ غرض سبقت فی الاسلام، اخلاص فی الدین، جوش ایمان، حب رسولؐ، شوق جہاد، حق گوئی و بے باکی، وعظ و ہدایت اور علم و فضل جس پہلو سے بھی حضرت عبادہؓ کی زندگی پر نظر ڈالیں وہ مطلع انوار نظر آتی ہے۔

شیخ سلسلہ کا دورہ لاہور 2009ء

سید رحمت اللہ شاہ

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ محمد صدیق ڈار توحیدی نے 17، 18، 19 دسمبر 2009ء کو لاہور کے حلقہ جات کا سالانہ دورہ کیا۔ اس موقع پر بزرگ بھائی جناب محمد شریف چیمہ صاحب (اسلام آباد) اور جناب بیرسٹر محمد طاہر جاوید چیمہ صاحب کو قبلہ حضورؒ کی رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی۔ لاہور میں تین مقامات پر حلقہ ذکر ہوتا ہے۔ حلقہ ذکر کیلئے جمعرات کا دن مخصوص کیا گیا ہے۔ عصمت انجینئرنگ ورکس نزد مزار بابا حاموں شاہ ٹیوٹو مزنگ میں جناب میاں محمد انور صاحب کی رہائش گاہ پر ہرماہ کی پہلی جمعرات کو حلقہ ذکر ہوتا ہے۔ مہینے کی دوسری جمعرات E-780 لنک روڈ نمبر 3، بلاک ڈی، نشاط کالونی لاہور میں جناب مولوی محمد یعقوب صاحب کی رہائش گاہ پر جبکہ باقی دو یا تین جمعرات جناب شاہد آفتاب صاحب کی رہائش گاہ واقع 46، اورنگزیب بلاک، گارڈن ٹاؤن میں ہوتا ہے۔

17، دسمبر 2009ء بروز جمعرات سالانہ دورہ لاہور کا پہلا دن تھا۔ قبلہ حضورؒ اپنے دونوں رفقاء کے ہمراہ نماز مغرب سے آدھا گھنٹہ پہلے گارڈن ٹاؤن لاہور پہنچے۔ حلقہ ذکر جناب آفتاب احمد خان صاحب کے صاحبزادے جناب شاہد آفتاب صاحب کی رہائش گاہ پر ہوتا تھا۔ قبلہ حضورؒ کی آمد کے وقت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب دیگر بھائیوں کے ساتھ استقبال کیلئے گارڈن ٹاؤن میں موجود تھے۔ قبلہ حضرتؒ کو خوش آمدید کہا گیا۔ کچھ دیر کے بعد نماز مغرب کیلئے تیاری کی گئی۔

دوست احباب نماز مغرب سے قبل وبعد تشریف لاتے رہے۔ نماز مغرب باجماعت ادا کی گئی۔ نماز کے بعد قبلہ حضورؒ نے سب بھائیوں سے تعارف کیلئے کہا۔ تمام مریدین اور دوست احباب نے اپنا اپنا تعارف کرایا۔ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے مزید گفتگو کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا مختصر تعارف کرایا۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف

اور بنیادی ذکر اذکار کا طریقہ بتایا۔نماز مغرب کے کم وبیش آدھا گھنٹہ بعد حلقہ ذکر شروع ہوا۔ جناب ساجد محمود توحیدی صاحب نے حلقہ ذکر کرایا۔حلقہ ذکر کے بعد قبلہ حضورؒ نے فضائل ذکر پر تھوڑی سی بات کی ۔اس مجلس میں شریک زیادہ تر بھائی نوجوان تھے پہلی مرتبہ قبلہ حضورؒ سے ملاقات کیلئے آنے والے دوست احباب کی تعداد قدرے زیادہ تھی ۔یہ لوگ تعلیم سے فارغ ہوکر بہتر سے بہتر روزگار کیلئے کوشاں تھے۔

محترم قبلہ حضورؒ نے سب سے مخاطب ہوکر تقدیر اور انسانی کاوش کے موضوع پر بات کی۔ آپؒ کی گفتگو بہت جامع ،مستند اور قرآن واحادیث کے حوالوں سے مزین تھی ۔حاضرین مجلس نے ہمہ تن گوش آپ کی باتوں کو سنا۔حاضرین نے سوالات کی صورت میں بات چیت میں حصہ لیا اور فیض وبرکات کا سلسلہ جاری رہا۔کھانا پیش کیا گیا۔کچھ اصحاب نے کھانا کھانے کے بعد رخصت لی جبکہ باقی قبلہ حضورؒ کے ساتھ گفت وشنید میں مصروف رہے۔پہلے دن کی نشست پانچ گھنٹے جاری رہ کر دعا پر ختم ہوئی ۔قبلہ حضورؒ نے اہل خانہ کا شکریہ ادا کیا اور نشاط کالونی کیلئے روانہ ہوئے۔

دوسرے روز (18 دسمبر 2009ء) کا حلقہ ذکر نیو مزنگ میں طے شدہ تھا۔شیخ سلسلہ جناب محمد صدیق ڈار صاحب اپنے رفقاء جناب محمد شریف چیمہ صاحب ،بیرسٹر محمد طاہر جاوید چیمہ صاحب اور جناب مولوی محمد یعقوب صاحب کے ساتھ نماز مغرب سے قبل جناب میاں محمد انور صاحب کی رہائش گاہ پر تشریف لائے ۔نماز مغرب باجماعت ادا کی۔مولوی محمد یعقوب صاحب نے نئے آنے والے دوستوں کو ذکر کا طریقہ بتایا۔حلقہ ذکر بروقت شروع ہوا۔مولوی محمد یعقوب نے حلقہ ذکر کرایا۔حلقہ ذکر کے بعد قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے ایمانیات کے موضوع پر بات چیت کی۔گفتگو کے بعد کھانے سے تواضع کی گئی۔کھانے سے فراغت کے بعد سب بھائی قبلہ حضورؒ کے قریب قریب آ گئے اور بات چیت جاری رہی بالآخر دعا کے ساتھ مجلس برخاست ہوئی۔ اس رات بھی قیام مولوی محمد یعقوب صاحب کی رہائش گاہ پر تھا۔قبلہ حضورؒ اہل خانہ کا شکریہ ادا کر

کے نشاط کالونی مولوی محمد یعقوب صاحب کے گھر آ گئے۔

تیسرے دن کا (19 دسمبر 2009ء) کا حلقہ ذکر مولوی محمد یعقوب صاحب کے گھر نشاط کالونی میں تھا۔ حلقہ ذکر راقم الحروف نے کرایا۔ حلقہ ذکر سے قبل ائیر کموڈور (ریٹائرڈ) جناب اعجاز الدین صاحب نے قبلہ حضورؒ کو بتایا کہ وہ دو رکعت نماز استغفار پڑھ کر آئے ہیں اور اپنے ساتھ مٹھائی بھی لائے ہیں۔ جناب محمد جمیل مرزا صاحب نے مزید اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ محترم اعجاز الدین صاحب تجدید بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ جب حلقہ ذکر ختم ہوا تو قبلہ حضرت محمد صدیق ڈار توحیدی صاحبؒ نے ائیر کموڈور (ریٹائرڈ) جناب اعجاز الدین صاحب کو آگے بلایا اور اپنے دست شفقت پر سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بیعت کیا۔ دعا ہوئی مبارکبادوں کا سلسلہ اور پھر مٹھائی کے ادوار چلے۔ قبلہ حضورؒ نے فضائل ذکر اور روح اعمال جیسے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی۔ کھانا کھانے اور گفت وشنید کے بعد قبلہ حضورؒ نے اہل خانہ سے اجازت لی اور جناب شیخ محمد اسلم کی طرف روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے آپؒ شیخ محمد اسلم صاحب کے سسر صاحب کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے جو کچھ عرصہ سے علیل ہیں۔ شدید تکلیف کے باوجود جناب شیخ محمد اسلم صاحب کے سسر جی اُٹھ کر بیٹھے رہے۔ قبلہ حضورؒ نے ان کی صحت کیلئے دعا فرمائی اور ان کے آرام کے پیش نظر زیادہ دیر بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس رات شیخ محمد اسلم صاحب کو میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ سالانہ دورہ لاہور اختتام پذیر تھا۔ محترم شیخ سلسلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحبؒ علی الصباح جناب محمد شریف چیمہ اور جناب بیرسٹر محمد طاہر جاوید چیمہ صاحب کے ہمراہ لاہور سے مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ کیلئے روانہ ہوئے۔

قبلہ حضورؒ کی محافل میں سوز و گداز، لطف و سرور، اور فیض عام جیسی کیفیات محسوسات سے تعلق رکھتی ہیں جن کو احاطہ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔

محترمہ ہیتھر اوبینن (امریکہ)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

محترمہ ہیتھر اوبینن نے مئی ۱۹۸۹ء میں گونزاگا (GONZAGA) یونیورسٹی سے پبلک ریلیشنز اور صحافت میں گریجوایشن کی ڈگری حاصل کی۔وہ واشنگٹن کے ایک مقام SPOKANE میں اپنے والدین کے پاس مقیم ہیں اور اسلامک سنٹر واشنگٹن کے نیوز لیٹر کی ایڈیٹر ہیں۔قبول اسلام کے بعد موصوفہ محترمہ سے ذیل کا انٹرویو این۔ایس خان نے لیا تھا اور ''دی میسیج انٹرنیشنل'' کے فروری ۱۹۹۰ کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔میرے عزیز دوست پروفیسر وقار علی کاری صاحب نے یہ انٹرویو مجھے فراہم کیا۔ان کے شکریے کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

''آپ نے یہ اس طرح کا عجیب وغریب لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ کیا آپ نن (NUN) بننے جارہی ہیں؟''

''یہ تو بتاؤ تمہارا تعلق کس مذہب سے ہے؟ یوں لگتا ہے جیسے تم محمدؐ کی پوجا کرتی ہو اور اسی خاطر تم نے یہ مضحکہ خیز لباس پہن رکھا ہے۔''

یہ اور اس طرح کے سوالات واعتراضات ہیں جو مجھے روزانہ ہی بار بار سننے پڑتے ہیں۔صبح تیار ہوکر، مستور لباس پہن کر اور سر پہ سکارف لے کر باہر نکلتی ہوں، تو میں ذہنی طور پر تیار ہوتی ہوں کہ کوئی نہ کوئی واقف یا اجنبی مرد یا عورت مجھے روکیں گے اور اس نوعیت کا تبصرہ داغ دیں گے۔ تاہم یہ ضرور خیال آتا ہے کہ آیا میں اپنے نئے مذہب اسلام کے بارے میں ان کے اعتراضات وسوالات کا جواب دے سکوں گی؟ ایک مسلمان کی حیثیت سے امریکہ میں رہتے ہوئے یہ بات آسان نہیں ہے؟ لیکن میں نے اسے ایک چیلنج سمجھ کر قبول کرلیا ہے۔

میرا تعلق ایک فوجی گھرانے سے ہے۔میرے والد امریکی بحریہ میں افسر تھے اور اس حیثیت سے انہیں جاپان اور سکاٹ لینڈ میں بھی مقیم رہنا پڑا۔گھر کے دوسرے افراد بھی ان کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔اس طرح مجھے خصوصی فائدہ یہ ہوا کہ مختلف قوموں اور ان کے کلچر کو سمجھنے کا موقع ملا اور وسعتِ نظر پیدا ہوئی۔ہمارا خاندان گزشتہ بارہ سال سے سپوکین، واشنگٹن میں رہائش پذیر ہے۔

یہیں میں نے ہائی سکول اور کالج کی تعلیم حاصل کی۔اگر چہ مجھے METHODIST عقیدے میں بپتسمہ دیا گیا تھا لیکن جونیئر اور ہائی سکول کی تعلیم کے دوران میری والدہ مجھے ناصری چرچ (NAZARINE) میں لے جاتی رہیں۔اس دور میں میں نے چرچ اور سکول کی بہت سی سرگرمیوں یعنی میوزک، ڈرامہ اور کھیلوں میں حصہ لیا۔اس مصروفیت کا فائدہ یہ ہوا کہ عام لڑکیوں کی طرح میں شراب نوشی اور دیگر نشہ آور اشیاء کے استعمال سے محفوظ رہی۔

یہ یقیناً میری خوش نصیبی ہے کہ میں اوائل عمر ہی سے خدا پر یقین رکھتی تھی بلکہ مجھے خدا سے محبت تھی اور میرا ایمان تھا کہ وہ بھی ہم سے محبت رکھتا ہے،لیکن ذہنی طور پر میں اس مشکل میں مبتلا تھی کہ عیسائیت کے حوالے سے مجھے اس عبادت کا طریقہ دل کو نہیں بھاتا تھا۔تشنگی کا احساس پریشان کیے دیتا تھا۔خصوصاً اس تصور سے ذہن ماؤف ہونے لگتا تھا کہ حضرت مسیحؑ خود خدا ہیں بھلا ایک انسان خدا کیسے ہوسکتا ہے اور اگر وہ خدا تھے تو انہیں پھانسی کیوں دی گئی تھی؟

عقائد کا یہی تضاد تھا جس کے نتیجے میں میں عیسائیت سے لاتعلق سی ہوگئی اور جب سپوکین کی گونزاگا یونیورسٹی میں داخل ہوئی تو میں نے چرچ جانا چھوڑ دیا۔تاہم میں یونیورسٹی کی مذہبی کلاسوں میں حاضری کی پابند تھی کہ یہ ایک رومن کیتھولک تعلیمی ادارہ ہے۔ان کلاسوں میں بائبل کے علاوہ انسانی مذہبی تجربات، عالمی تعلقات اور بین الاقوامی مذاہب پر لیکچر ہوتے تھے۔ان لیکچروں کے نتیجے میں میرا یہ تصور مضبوط ہوتا چلا گیا کہ عیسائیت میں نہایت سنجیدہ نوعیت کی بہت سی خامیاں اور کمزوریاں ہیں چنانچہ ۱۹۸۶ء کے موسم بہار تک جب کہ میں نے اس یونیورسٹی کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی، میں عیسائیت کے عقائد سے مکمل طور پر بیزار ہو چکی تھی۔مجھے اس پر افسوس بھی تھا کہ میں ایک عیسائی ہی کی حیثیت سے خدا سے وابستہ رہنا چاہتی تھی اور یہ بھی مجھے احساس تھا کہ مذہب کو چھوڑ کر اور خدا سے وابستہ رہنا چھوڑ کر میں نہ اچھی انسان رہ سکتی تھی نہ خدا کی عبادت کر سکتی تھی؟لیکن آخر کیا کرتی عیسائیت کے عقائد میں اتنے جھول تھے کہ اس سے تعلق قائم رکھنا بے عقلی کی بات ہوتی۔

اب میں نے نہایت خلوص اور صدق دل سے خدا سے دعا کی کہ وہ میری رہنمائی فرمائے۔تب اسی سال کی گرمیوں میرا ایک مسلمان سے تعارف ہوا۔اس نے مجھے اپنے مذہب کے بارے

میں معلومات فراہم کیں ۔جو میرے دل میں اترتی چلی گئیں، عقل وشعور نے ان کی تائید کی اور میں اس کے مذہب ۔۔۔۔۔۔اسلام سے اتنی متاثر ہوئی کہ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں میں نے اس مسلمان نوجوان سے شادی کرلی ۔

شادی کے بعد میں نے سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ جہاں ضرورت پڑتی میں اپنے خاوند سے سوال کرتی اور مطمئن ہوکر آگے بڑھتی ۔اس طرح نو ماہ تک میں نے دل لگا کر اسلام کے بارے میں مختلف کتب کا مطالعہ کیا۔۔۔۔۔ میں اگر چہ عیسائیت سے بیزار تھی پھر بھی ظاہر ہے مذہب کوئی آئس کریم فلیور تو نہیں ہے جسے فوراً پسند کرلیا جائے ۔میں اپنا مکمل ذہنی اطمینان اور شرح صدر چاہتی تھی کہ اس کا تعلق میرے مستقبل سے تھا اور مجھے اپنے کردار اور رویے میں بہت سی تبدیلیاں لانی تھیں، چنانچہ جب تحقیق وجستجو کا مرحلہ طے ہوگیا تو میں نے اسلام قبول کرلیا ۔الحمدللہ رب العالمین ۔

اسلام کو سمجھنے کے لیے میں نے سب سے زیادہ قرآن پاک پر انحصار کیا۔

پھر کچھ کتابیں اور پمفلٹ بھی نظر سے گزرے۔اس ضمن میں جمال بیضاوی کی کتاب MOHAMMAD IN THE BIBLE نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میں مقامی اسلامک سنٹر بھی جاتی رہی اور وہاں میں نے مختلف مسلمان خواتین سے رابطہ قائم کیا جنہوں نے مجھے اسلام کے بارے میں قابل قدر معلومات فراہم کیں اور میرے سوالات کے جواب دیے۔۔ مجھے پتہ چلا کہ اسلام میں خدائے واحد کی عبادت ہوتی ہے ۔کسی معاملے میں کوئی اس کا شریک نہیں اور صرف اسی طریقے سے اس کی عبادت ہوسکتی ہے جو خود اس نے وحی کے ذریعے انسانوں کو سکھایا ہے ۔مجھے پتہ چلا کہ بنی آدم کی ہدایت کے لیے بے شمار پیغمبر آئے ہیں جن میں حضرت موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ بھی شامل ہیں اور سب کا مذہب اسلام تھا اور سب نبیوں کے اخیر میں حضرت محمد ؐ تشریف لائے ۔ان پر اسلام کی تکمیل کردی گئی اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن خدا کی آخری کتاب ہے ۔تو ریت اور انجیل بھی خدا کی طرف سے نازل ہوئیں لیکن حضرت موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ کے بعد ان میں بہت سارد وبدل کردیا گیا ہے چنانچہ قرآن نازل ہونے کے بعد اب ان کی حیثیت اور اہمیت ختم ہوگئی ہے ۔گویا اب ان کی ضرورت ہی نہیں رہی ۔

مجھے اسلام کے سماجی اور قانونی نظام نے بھی بہت متاثر کیا اور قرآن کے معجزانہ اسلوب اور اس کی تعلیمات سے بھی میں مسحور ہوگئی ۔قرآن پڑھتے ہوئے میں بے اختیار سوچنے لگتی کہ یہ کتاب چودہ سو سال پہلے نازل ہوئی تھی اور اس کی کوئی ایک بات اس سائنسی دور میں بھی غلط نہیں کی جا سکی، پھر اس امر میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔

خصوصاً قرآن میں جنت اور دوزخ کی تفصیلات نے مجھے بہت متاثر کیا۔ یہ انداز عام اخلاقی اور تمثیلی کہانیوں سے بہت ہی مختلف تھا۔میرے دل نے گواہی دی کہ یہ سب مناظر سو فیصد سچے اور حقیقی ہیں اور انسانی اعمال کے حوالے سے قیامت کے بعد لازماً ایسا ہی ہونا چاہیے۔۔۔ اس مرحلے میں میرے پاس اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

میں نے اندازہ کیا کہ اسلام کا تجربہ عیسائیت کے تجربے سے بہت ہی مختلف ہے۔ایک عیسائی کی حیثیت سے اپنے مذہب کے بارے میں میرا ذہن شکوک وشبہات سے بھرا رہتا تھا اور میں اس احساس میں اکیلی نہیں تھی ۔جہاں تک میں جانتی ہوں، بیشتر عیسائیوں کی کیفیت یہی ہے۔وہ سب طرح طرح کے سوالات اور شکوک میں مبتلا ہیں، لیکن کوئی عیسائی مذہبی راہنما ان کے جواب دینے اور انہیں مطمئن کرنے پر قادر نہیں ۔۔۔اس کے برعکس میں نے دیکھا ہے کہ تقریباً سارے مسلمان اسلام کی صداقت پر مکمل یقین رکھتے ہیں بلکہ وہ مسلمان بھی جو بے عمل ہیں اور اسلامی شعار کی پابندی نہیں کرتے ،انہیں اپنے دین کی صداقت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔اس تقابلی موازنے نے میرے اس احساس کو تقویت دی کہ اسلام خدا کا سچا دین ہے۔اب جب کہ میں اللہ کے فضل وکرم سے مسلمان ہوں، میں یہ سوچ کر بڑا سکون محسوس کرتی ہوں کہ اپنے نئے مذہب کے بارے میں میرے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی وسوسہ یا شک نہیں ہے اور مجھے اس احساس سے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ اللہ نے مجھے دین کا مکمل یقین عطا فرما دیا ہے اور میں جانتی ہوں کہ اپنے خالق و مالک کی عبادت کا کیا طریقہ ہے؟

کلمہ شہادت پڑھنے کے تقریباً ایک سال کے بعد میں نے اسلامی لباس اختیار کیا اور سر پر سکارف لینا شروع کر دیا۔دراصل یہ عرصہ لباس کے معاملے میں سخت کشمکش اور گومگو میں گزرا۔ لوگ اس ماحول میں انگلیاں اٹھائیں گے، تنگ کریں گے اور عین ممکن ہے ملازمت سے ہاتھ

دھونے پڑیں۔۔۔لیکن جب قرآن کو بار بار پڑھا اور اس پر غور کیا تو پتہ چلا کہ خدا نے مسلمان عورتوں کے لیے لباس کا ایک خاص ضابطہ متعین کیا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ مسلمان کی حیثیت سے ہمیں یہ اختیار نہیں ہے کہ بعض احکامات پر عمل کریں اور بعض کو ترک کر دیں۔۔۔چنانچہ میں نے اللہ کا نام لے کر سکرٹ کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا اور بالوں پر سکارف باندھ لیا۔

میں نے ۱۹۸۸ء کے موسم گرما میں اسلامی لباس شروع کیا۔ان دنوں میں دھوپ کی عینکیں اور بالوں کی ضروریات بنانے والی ایک فرم RIVIERA CORPORATION میں تجارتی نمائندہ کی حیثیت سے ملازم تھی اور میرے فرائض میں دیگر امور کے علاوہ کمپنی اور مختلف سٹورز کے درمیان رابطہ قائم کرنا اور اندرون شہر مصنوعات کی نمائش کرنا بھی تھا۔چونکہ کمپنی کے سپروائزر اور دیگر افسروں کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی تھی،اس لیے جب میں نے مستور اسلامی لباس اختیار کیا،تو کسی نے بھی برا نہ مانا اور میری ملازمت پر اس کا کوئی منفی اثر نہ ہوا۔

۱۹۸۹ء کے بہار سمسٹر میں جب کہ میں "گونزا گا بلیٹن" (یونیورسٹی نیوز لیٹر) کی ایڈیٹر تھی، میں نے اسی اسلامی لباس میں ملازمت کے لیے انٹرویو دیا اور میرا یہ لباس حصول ملازمت میں کوئی رکاوٹ نہ بنا۔

اگر میں اسلامی لباس اختیار نہ کرتی تو مسلمانوں کے حلقے سے باہر شاید ہی کسی غیر مسلم کو میرے قبول اسلام پر اعتراض پیدا ہوتا،لیکن مستور لباس پہن کر اور سکارف اوڑھ کر جب میں باہر نکلتی ہوں تو منفی رویہ اختیار کرنے والوں کے علاوہ کتنے ہی لوگ میرے مذہب،اسلام کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور اس طرح مجھے موقع مل جاتا ہے کہ میں ان تک دین حق کا تعارف پہنچا دوں۔۔۔اس صورت حال سے سچی بات ہے میں بہت ہی خوش ہوتی ہوں۔

چنانچہ جب لوگ پوچھتے ہیں کہ میں نے یہ لباس کون پہن رکھا ہے تو جواب میں میں انہیں بتاتی ہوں اور میرا مذہب۔۔۔اسلام اپنے پیرو کاروں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں،لباس کے معاملے میں بھی کچھ خاص اصولوں کا پابند کرتا ہے اور اس لباس کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں سادگی اور وقار ہے،اس میں تکبر کا کوئی پہلو نہیں،یہ خصوصاً خواتین کی معاشرتی قباحتوں سے حفاظت کرتا ہے،اور اخلاقی بے راہ روی سے بچاتا ہے جو انسانوں کو بہر حال خدا سے دور لے جاتی ہے۔

اس کے جواب میں بعض اوقات لوگ ان مسلمانوں کے بارے میں اعتراض داغ دیتے ہیں اور اس تضاد کا جواز مانگتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلامی لباس نہیں پہنتے۔ میں جواب دیتی ہوں کہ یہ دراصل دینی علم کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے یا وہ نسلی طور پر مسلمان گھرانوں سے تو تعلق رکھتے ہیں، لیکن اسلام ان کے دلوں میں نہیں اترا۔ ایسے لوگ بڑے بدنصیب ہوتے ہیں۔

میری باتوں سے کچھ لوگ تو سمجھ جاتے ہیں کہ عقیدے اور طرز زندگی میں یقیناً گہرا تعلق ہوتا ہے، لیکن بعض افراد اس نقطۂ نظر کو قبول نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ لباس کا یہ انداز سراسر غیر ملکی ہے، اس کا امریکی معاشرت سے کوئی تعلق نہیں۔ بھلا مذہب کا لباس سے کیا واسطہ؟

میں پھر وضاحت کرتی ہوں کہ اسلام کا تعلق کسی خاص علاقے یا ملک سے نہیں ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی مذہب ہے اور اسلامی عقاید پر یورپ، امریکہ حتیٰ کہ روس اور چین سمیت دنیا بھر میں عمل ہوتا ہے اور امریکی مسلمان کی حیثیت سے میرا بھی فرض ہے کہ میں اپنے عقاید کو عملی صورت دوں۔

مجھے یقین ہے کہ امریکہ میں بیشتر باعمل مسلمان خواتین کو اسی نوعیت کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دراصل جس معاشرے میں عورت اپنی سی کوشش کرتی ہو کہ وہ اپنے ماحول میں زیادہ سے زیادہ دلکش اور خوبصورت دکھائی دے، وہاں بعض مسلمان خواتین ان تلخ تجربات سے بد دل بھی ہوتی ہیں، لیکن میں تو پریشان نہیں ہوتی بلکہ ان سے مثبت انداز میں فائدہ اٹھا رہی ہوں۔ اپنے سچے دین کا پیغام دوسروں تک پہنچاتی ہوں۔ اپنے دین کے بارے میں لوگوں کی غلط فہمیاں دور کرتی ہوں۔۔۔ اور میرا گمان ہے کہ میری کوشش کے نتیجے میں بہت سے لوگ یہ جان جائیں گے کہ اسلام محض ایشیائی لوگوں کا مذہب نہیں، امریکہ کے سفید فام بھی اسے اپنا سکتے ہیں اور آئندہ وہ جب بھی کسی دوسرے مسلمان سے ملیں گے، ان کے ذہن اسلام کے بارے میں صاف ہو جائیں گے۔

میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں اپنے ہر ملنے والے کو مسلمان نہیں بنا سکتی، لیکن کم از کم میں ان کی طرف محبت اور اخلاص کی ایک کھڑکی تو کھول سکتی ہوں۔ ان کے دل پر دستک تو دے سکتی ہوں۔

اور یہ دستک دینا اس لیے ضروری ہے کہ امریکہ کے بیشتر لوگ اسلام کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے، انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ مسلمان خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں، خدائے وحدہ لاشریک کی، جس میں اس کا ہرگز کوئی شریک نہیں۔ ان میں بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں جو اسلام کے بارے میں سنے سنائے الزامات کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور انہوں نے کبھی تحقیق کرنے کی زحمت نہیں کی کہ یہ الزامات سراسر غلط اور قطعی بے بنیاد ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ایک ایک شخص کے پاس جاؤں اور ان الزامات کی تردید کروں خصوصاً انہیں بتاؤں کہ ہمارا عبادت کرنے کا طریقہ کتنا صاف ستھرا اور متاثر کرنے والا ہے۔

میں ایک کمزور عورت ہوں۔ ظاہر ہے دنیا بھر میں تو انقلاب نہیں لاسکتی، لیکن اپنی توفیق کے مطابق اتنا تو کرسکتی ہوں کہ جہاں بھی موقع ملے حق کی شمع روشن کردوں۔ کیا خبر شمع امریکہ میں روشنی کی نقیب بن جائے۔

اخیر میں اپنا ایک یادگار تجربہ سناتی جاؤں۔ پہلے ہی دن جب کہ میں نے اسلامی لباس زیب تن کیا، میں اندرون شہر اپنی ڈیوٹی پر تھی کہ ایک خاتون نے مجھے متوجہ کیا، کیا میں آپ سے ایک ذاتی سوال کرسکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں، فرمایئے، مجھے آپ سے بات کرکے خوشی ہوگی۔" میں نے جوب دیا۔

"کیا آپ مسلمان ہیں؟"

میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس خاتون نے بتایا کہ وہ پہلے سے اسلام کے متعلق کچھ معلومات رکھتی ہے اور مزید جاننا چاہتی ہے۔ میں نے اپنے علم کے مطابق اس کے سب سوالات کے جواب دیے۔ لگتا تھا کہ وہ خاصی مطمئن ہوگئی ہے۔

ہم نے ایک دوسرے کا فون لے لیا۔ رابطے جاری رہے، محبت کا تعلق بڑھتا چلا گیا۔ وہ میری بہت گہری سہیلی بن گئی اور ایک روز وہ بھی مسلمان ہوگئی (الحمدللہ تعالیٰ) میں نے کوشش کر کے اس کی شادی ایک مسلمان سے کرادی اور آج وہ باعمل مسلمان کی حیثیت سے خوش وخرم گزار رہی ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

حافظ شہزاد احمد

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو مشائخ چشت میں بہت بلند اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ آپؒ حضرت قطب الدین بختیار کا کیؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت صابر پیاؒ آپ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اِنہی دو حضرات سے سلسلہ چشتیہ آگے پھیلا۔ اور آج تک چل رہا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور حضرت صابر پیاؒ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ ہے۔ آپؒ کے عشق محبت پر مبنی ملفوظات درج ذیل ہیں۔

ملفوظات حضرت فریدالدین گنج شکرؒ

(1) فقراء اہل عشق کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور علماء اہل عقل کے گروہ سے۔ ان دونوں کے درمیان کافی فرق ہے مگر کارآمد ہے وہ قوم جس میں دونوں صفتیں موجود ہوں کیونکہ انبیاء علیہ السلام پر دونوں حالتیں طاری رہتی تھیں اور راہ سلوک میں درویش کا عشق علماء کی عقل پر غالب رہتا ہے۔

(2) ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا کہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کر لی۔ آپ نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ محبت کا آئینہ میرے ہاتھ میں رکھ دیا گیا۔ اس آئینے میں میں نے ایسی شکل دیکھی جس پر میں فریفتہ ہو گیا۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ اے اللہ یہ نعمت مجھ کو بخش۔ ارشاد ہوا کہ یہ نعمت ہم نے تجھ کو بخشی۔

(3) عشق ایک ایسی آگ ہے کہ عاشقوں کے دلوں کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

(4) ایک اللہ والے تھے۔ جو روزانہ دُعا مانگتے تھے کہ اے اللہ اگر تو نے کل قیامت کے دن مجھ کو جلایا یا دوزخ میں بھیجا تو قسم ہے تیری عزت و جلال کی دوزخ کے دروازہ پر آتش عشق سے ایک ایسی آہ سینے سے کھینچوں گا۔ دوزخ کی ساری آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ دوزخ کی آگ کو کیسے ختم کر سکتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ دوزخ کی آگ کی محبت کی آگ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ کوئی آگ محبت کی آگ سے بالاتر نہیں۔ پھر آپ نے یہ مصرعہ پڑھا۔

در سینہ عاشقاں ہمہ درد نہند

ترجمہ! عاشقوں کے سینے میں تمام درد اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

(5) رحمت الٰہی کا نزول تین وقتوں میں ہوتا ہے۔

ا۔ سماع کے وقت ۲۔ اللہ والوں کے حالات بیان کرتے وقت۔

۳۔ جب عاشقوں پر عشق کا غلبہ ہوتا ہے۔

(6) ایک مرتبہ آپؒ نے یہ شعر ارشاد فرمائے۔

من آں نیم کہ زعشق تو پائے بس آرم
اگر بہ تیغ کشندم در تو نگزارم

ترجمہ! میں وہ نہیں ہوں کہ تیرے عشق سے باز آ جاؤں۔ اگر تیغ سے بھی مجھ کو مارا جائے تو تیرا در نہ چھوڑوں گا۔

مپرس از شب ہجراں چگو نہ می گزرد
مبارا ہیچ کسے را قوی است دشوارم

ترجمہ! مجھ سے شب ہجر کے بارے میں مت پوچھ کہ کیسی گزرتی ہے کسی کو بھی میرے جیسی دشواری نصیب نہ ہو۔

من از جمال تو اے سرو باغ تا دیدم
ہوس نشد کہ گہے دل رود بہ گلزارم

ترجمہ! جب سے میں نے تیرے جمال کا باغ دیکھ لیا ہے۔ تو پھر کبھی کسی گلزار کی طرف جانے کی خواہش ہی نہیں ہوتی۔

اگر دہند بغردا بہشت باہمہ چیز
بحبہ نخرم من کہ من کہ مست دیدارم

ترجمہ! اگر کل قیامت کو جنت اپنے تمام لوازمات کے ساتھ مجھے دی گئی تو میں اسے نہیں لوں گا کیونکہ میں تیرے دیدار کا مشتاق ہوں۔

جاں دہم از برائے جانانِ من
گر بود صد ہزار جان درتن

ترجمہ! اپنے محبوب پر اپنی جان نثار کر دوں۔ اور ایک اِسی جان پر ہی کیا موقوف۔ ایسی جانیں ہزاروں ہوں تو قربان۔

(7) جب عاشقوں پر اپنے محبوب کے عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کی روح تجلی حق کے باعث اس مقام پر ہوتی ہے کہ اس وقت ان کو دنیا کی کوئی خبر نہیں رہتی۔

ہر لحظہ کہ در شوق خیال تو شوم غرق

جز روئے تو در پیش نظر جلوہ گری نیست

ترجمہ! جس گھڑی تیرے جمال کے شوق میں غرق ہوتا ہوں تو پھر سوائے تیرے چہرے کے کوئی چیز میرے سامنے جلوہ گر نہیں ہوتی۔

(8) اے دوست عشق حقیقت میں ایسا موتی ہے۔ جس کی قیمت کوئی جوہری اور نظر والا نہیں لگا سکتا کہ وہ کیا ہے۔ سوائے انسان کے ایسی قیمتی نعمت کسی مقرب فرشتے کو بھی نہیں دی گئی۔ جس وقت عشق پیدا کیا گیا اس سے اللہ نے خطاب فرمایا کہ اے عشق جا سوائے مغموم لوگوں کے دل کے اور کہیں قرار نہ لینا۔

(9) اے دوست اللہ نے عشق کو پیدا فرمایا تو لاکھوں زنجیروں اور لاکھوں جذبہ شوق کو بھی پیدا فرمایا۔ پھر مومنوں کی ارواح کو آواز دی کہ تمام ارواح حاضر ہوں۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ عشق کو پیش کریں۔ جو ارواح عشق کے لائق تھیں۔ وہ دریائے محبت میں غرق ہو گئیں۔ یہ انبیاء اور اولیاء کی روحیں تھیں۔ پھر اس کے بعد دوسری قسم کی روحیں بھی دریائے محبت میں غرق ہوئیں۔ یہ اہل مجاز کی روحیں تھیں۔ جو شخص مجاز سے حقیقت کی طرف پہنچتا ہے بھلا اس کا کیا کہنا۔

(10) اے دوست عشق میں عاشق کا رونا دھونا اسی وقت تک ہے جب تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتا۔ جیسے ہی عاشق کو معشوق کا وصل حاصل ہوتا ہے۔ اس کا رونا دھونا ختم ہو جاتا ہے۔

(11) اے دوست حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ عاشق کیلئے حضوری تمام وقت ہے یا کسی خاص وقت تو آپؒ نے فرمایا تمام وقت اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا عاشق کھڑا، بیٹھا، لیٹا ہوا ہر حال میں دوست کے مشاہدہ میں غرق ہوتا ہے۔ پھر فرمایا عاشق کیلئے حضوری اور

غیبت دونوں برابر ہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

حضور و غیبت عاشق چوہر دو یکسانیت
بغیب مست جمالش حضور و نیز ہماں ست

ترجمہ! عاشق کیلئے حضوری اور غیبت دونوں برابر ہیں۔ اس کے جمال سے مستی اور سرشاری غیبت میں بھی ویسی ہی ہے جیسے حضوری میں ہے۔

(12) اے دوست کل قیامت کے دن جب عاشقوں کو مقام تجلی پر لایا جائے گا تو حکم ہو گا کہ آنکھیں کھولو۔ ان میں سے ہر ایک کو باری باری تجلی حق کا مشاہدہ کروایا جائے گا۔ تو وہ ہزاروں سال بے ہوش پڑے رہیں گے۔ جب وہ ہوش میں آئیں گے تو **ھَلْ مِنْ مَّزِیْدْ** کا نعرہ لگائیں گے۔ پھر یہ اشعار پڑھیں گے!

از لہر رُخ تو مبتلا می باشم
اندر غم عشق در بلامی باشم
وازیار جمال تو چناں مد ہوشم
کذخود خبرے نیست کجامی باشم

ترجمہ! تیرے رُخ زیبا کا میں شیدائی ہوں۔ عشق کے غم کی وجہ سے میں مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ اور تیرے جمال کی یاد میں ایسا سرشار ہوں کہ مجھے اپنی بھی خبر نہیں کہ میں کہاں ہوں۔

(13) اے دوست تصوف صاف دلی کے ساتھ اللہ سے دوستی کا نام ہے اور صوفیا، دنیا اور آخرت میں سوائے اللہ کی محبت کے اور کسی چیز پر فخر نہیں کرتے۔

(14) اے دوست انسان میں عشق کی تحریک معشوق کے مشاہدہ سے ہے۔ اور جو عاشق معشوق کے دیدار سے مشرف ہو گیا تو اس کا عشق بڑھتا جاتا ہے۔ اور آتش عشق بھڑک اٹھتی ہے۔ پھر ایک مقام آتا ہے۔ اس پر پہنچ کر عاشق کو قرار آجاتا ہے۔ پھر آپ نے روتے ہوئے یہ شعر پڑھے۔

اصل ہمہ عاشق را دیدار آید
چوں دیدہ بدید آنکہ درکار آید

دردام بلا نہ مرغ بسیار آید
پروانہ بہ طمع نور درنار آید

ترجمہ:۔تمام عشق کی اصل دیدار ہے۔جب وہ دیکھ لیتا ہے تو حرکت میں آ جاتا ہے۔چڑیا مصیبت کے پھندے میں کم آتی ہے۔پروانہ روشنی کے لالچ میں آگ میں جل مرتا ہے۔

(15) اے دوست جو شخص عاشق ہے اس کی نظر کے سامنے جو کچھ بھی آتا ہے۔اس میں اپنے محبوب کا جلوہ ہی نظر آتا ہے۔چنانچہ ایک مرتبہ مجنوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔وہ بھوکا تھا۔اس نے شکار میں ایک ہرن کو پکڑا پھر یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ اس کی آنکھیں لیلیٰ جیسی ہیں۔اس کو تکلیف کیسے پہنچاؤں۔

(16) اے دوست اللہ تعالیٰ کی محبت ایک بادشاہت ہے۔جو صرف انہی قلوب کو دی جاتی ہے جو اس کیلئے موزوں ہوں اور محبت ایک ایسی سیڑھی ہے جس پر وہی لوگ چڑھ سکتے ہیں جو دنیا کی کسی چیز کو قبول نہیں کرتے سوائے دوست کی محبت کے۔بقول شاعر!

ایمان سلامت ہر کوئی منگدا عشق سلامت کوئی ھو

(17) اے دوست محبت میں وہ سچا شخص ہے جو تمام وقت دوست کی یاد اور ذکر میں مشغول رہے۔اور ایک لمحے کیلئے بھی دوست کی یاد سے غافل نہ رہے۔پھر یہ مصرعہ پڑھا!

من احب شیئا اکثر ذکرہ

ترجمہ!''جو کسی چیز کو پسند کرتا ہے اس کا ذکر بار بار کرتا ہے''۔

(18) اے دوست ایک مرتبہ خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریؒ بیٹھے تھے۔اور اللہ تعالیٰ کے عشق پر بات ہو رہی تھی۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب تک بات ہوتی رہی نہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں مرد ہوں۔اور نہ اُن کے دل میں یہ خیال گذرا کہ وہ عورت ہے۔پھر فرمایا جب میں رابعہ کے پاس سے اُٹھا تو اپنے کو مفلس پایا اور ان کو مخلص۔

(19) اے دوست اللہ تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو دنیا کی ہر چیز اور ہر آسائش دیتا ہے مگر یہ عشاق ان کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ان کی مانگ صرف دیدار حق ہے اور وہ اسی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

(20) اے دوست اللہ کی محبت ایک بادشاہ کی طرح ہے جب وہ کسی عاشق کے دل پر قابض ہوتی ہے تو اس دل میں پھر کسی دوسرے کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

(21) اے دوست ایک مرتبہ ایک عاشق پر نزع کا عالم طاری ہوا وہ آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا اس کے احباب جو اس کے پاس تھے وہ کان لگا کر سننے لگے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ عاشق خدا کہہ رہا تھا کہ اے میرے محبوب جب تک میں زندہ رہا تیرے نام کی یاد میں زندہ رہا۔ آج میں اس دنیا سے جا رہا ہوں تو تیرے ہی نام کی یاد لیے جا رہا ہوں۔ اور کل قیامت کے دن اُٹھوں گا تو تیرے ہی نام میں مستغرق اُٹھوں گا یہ کہنے کے بعد اس نے اللہ کا نام زور سے لیا اور واصل بحق ہو گیا۔ پھر آپؒ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں آپ نے یہ شعر پڑھے۔

آیم بسر کوئے تو پویاں پویاں
تا جاں ندہم نام گویاں گویاں
رُخسارہ ز آب دیدہ شویاں شویاں
ہنجار وصال یار جویاں جویاں

ترجمہ! میں تیری گلی میں دوڑا دوڑا آؤں اور جب تک جان نہ جائے تیرا ہی نام وردِ زبان رہے۔ آنسوؤں سے گال دھلاتا رہوں اور وصال یار کے راستے ڈھونڈھتا ہی رہوں۔

(22) اے دوست زندگی ہے تو علم میں راحت ہے تو معرفت میں شوق ہے تو محبت میں اور ذوق ہے تو ذکر میں۔

(23) اے دوست جو آج اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرے گا اور اس کی یاد میں مشغول رہے گا۔ کل قیامت کے دن اس پر کوئی عذاب اور تکلیف نہیں ہوگی۔ اور میدانِ حشر کی سزاؤں سے بے فکر ہو جائے گا۔

(24) اے دوست ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ اہل محبت کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا جو دوست کے سوا کسی کی یاد میں مشغول نہ ہوں اور جس کا دل دوست کی محبت میں نہ اٹکا ہوا ہو اس کو محبت کا دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا۔

پیارے رسول ﷺ کی پیاری زبان

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

اِسم کی قسمیں

اِسمِ مُصَغّر

وہ اسم جو چھوٹائی کا مفہوم ظاہر کرے۔ جیسے

رَجُلٌ سے رُجَیْلٌ (چھوٹا آدمی)

کَلْبٌ سے کُلَیْبٌ (چھوٹا کتا)

اِبْنٌ سے بُنَیٌّ (چھوٹا بیٹا)

شَیْءٌ سے شُوَیْئَۃ (تھوڑی سی)

اَسماءِ سِتّۃ مُکَبّرَۃ۔

وہ چھ اسم جن کی تصغیر کسی صورت نہیں ہوتی اسماء ستہ مکبرہ کہلاتے ہیں۔ وہ ہیں۔

اَبٌ، اَخٌ، حَمٌ، ھَنٌ، فَمٌ اور ذُوْ۔

اِسمِ مُشَبۃ

چونکہ یہ اِسم فاعل سے مشابہت رکھتا ہے اِسی لئے مُشبہ کہلاتا ہے۔ اِسم فاعل میں مصدری معنی عارضی طور پر پائے جاتے ہیں جیسے **سَامِعٌ** یعنی سننے والا اس وقت ہوگا جب وہ سنے گا۔ لیکن اس مشبہ اندرونی یا بیرونی حالت ظاہر کرتا ہے اور معنی میں ہمیشگی پائی جاتی ہے۔ جیسے **جَمِیْلٌ** (خوبصورت) **غَضْبَانٌ** (غصے والا) **صُلْبٌ** (سخت) **حَسَنٌ** (اچھا) **جَبَانٌ** (بزدل)۔

اِسمِ مُبالِغہ

جو فاعل کی کسی صفت کی کثرت، شدت یا زیادتی ظاہر کرے مشہور اوزان یہ ہیں۔

فَعَّالٌ کَذّابٌ (بہت جھوٹا) ظَلّامٌ (بہت ظلم کرنے والا)

فِعِّیْلٌ صِدِّیْقٌ (بہت سچا)۔

فَعُوْلٌ غَفُوْرٌ (بہت معاف کرنے والا) حَقُوْدٌ (بہت کینہ پرور)

فَعَّالَةٌ عَلَّامَةٌ (بہت بڑا عالم)
فَاعُوْلٌ فَارُوْقٌ (بہت امتیاز کرنے والا)

اِسمِ نِسبَت

جو اسم کسی شخص، قبیلہ، جگہ یا پیشے کی نسبت ظاہر کرے۔ عام طریقہ یہ ہے کہ اسم کے بعد یائے مشدد (یّ) لگا دیا جاتا ہے۔

عَرَبٌ سے عَرَبِيٌّ۔ بَاكِسْتَانٌ سے بَاكِسْتَانِيٌّ۔
مَكَّةٌ سے مَكِّيٌّ گول تا (ۃ) حذف کر دی جاتی ہے۔
مَكَّةٌ سے مَكِّيَّةٌ مونث کیلئے آخر میں ۃ آ جاتی ہے۔
مَدِيْنَةٌ سے مَدَنِيٌّ حروف زائد گرا دیے جاتے ہیں۔
قُرَيْشٌ سے قَرشِيٌّ حروف زائد گرا دیے جاتے ہیں۔

اسم موصول

جس مقصد کیلئے انگریزی میں Who اور Which استعمال ہوتے ہیں۔
عربی میں یہ اسم موصول کہلاتے ہیں۔ تین اسم مذکر کیلئے اور تین مونث کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔
مذکر:۔ اَلَّذِيْ (وہ واحد مذکر) اَلَّذَانِ (وہ دونوں) اَلَّذِيْنَ (وہ سب جو)
مونث:۔ اَلَّتِيْ (واحد مونث) اَللَّتَانِ (وہ دونوں مونث) اَللَّاتِيْ (وہ سب مونث)
ان کے علاوہ مَنْ اور مَا بھی اسم موصول ہیں جو کون اور کیا کے معنوں میں آتے ہیں۔ ہر موصول کا ایک صلہ ہوتا ہے جیسے اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ میں يُؤْمِنُوْنَ صلہ ہے اَلَّذِيْنَ کا۔

اِسم اِضافی

وہ اسم جو دو اسماء کے درمیان تعلق اور اضافت ظاہر کریں۔ وہ یہ ہیں عِنْدَ (پاس) مَعَ (ساتھ) بَيْنَ (درمیان) بَيْنَ يَدَيْ (سامنے۔ آگے) خَلْفَ (پیچھے) اَمَامَ (آگے) قُدَّامَ (آگے) بَعْدَ (بعد) قَبْلَ (پہلے) قُبَيْلَ (تھوڑا پہلے) تَحْتَ (نیچے) فَوقَ (اُوپر) يَمِيْنًا (دائیں) شِمَالاً۔ يَسَارًا (بائیں) مَشْرِقًا، غَرْبًا، شِمَالاً، جُنُوْبًا، ذُوْ (والا) ذَاتُ (والی)، ذُوْ (والا)، مذکر کیلئے آتا ہے جیسے ذُوْ الْعِلْمِ (علم والا) ذُوْالْجَلاَلِ (جلال والا) ذَاتِ (والی) مونث کیلئے آتا ہے۔ جیسے ذَاتِ الْجَمَالِ (حسن والی) (جاری ہے)

سفر نامہ کروایشیاء (قسط نمبر 9)

طارق محمود

کلیسا میرے آگے:

شہر کے مرکز یعنی زگ ہا نا میں God اور بائبل کی طرف بلانے والوں کا تذکرہ ہو چکا۔ یہ لوگ عموماً اتوار کو ہونے والے وعظ و عبادت کے پروگرام کی دعوت دیتے ہیں۔ ارادہ تھا کہ کبھی ان کا یہ سلسلہ بھی قریب سے دیکھنا چاہیے۔ ایسے ہی ایک پروگرام کی اطلاع اشتیاق کے پاس تھی۔ ۳۰ جون بروز اتوار، ریلوے سٹیشن کے پاس ایک گرجا میں جا وارد ہوئے۔ سازوں کے ساتھ اونچے سروں میں مناجات جاری تھی۔ اسکے بعد پادری (Paster) نے تقریر شروع کی جو کہ مقامی زبان میں تھی۔ دوران وعظ پادری نے نووارد جان کر ایک عفیفہ کو ہمارے لئے ترجمان کے فرائض انجام دینے کو کہا۔ کچھ دیر تو میں نے سننے کی کوشش کی لیکن جلد ہی اس دوطرفہ شور سے بیزار ہو کر میں نے پہلو بدلا۔ اشتیاق کو اس عفیفہ کے سپرد کر کے بائبل کا انگریزی نسخہ اٹھایا اور ورق گردانی شروع کر دی۔ The Old Testaments کے چند اسباق دیکھے۔ پادری نے ایک اخبار بھی اٹھا رکھا تھا۔ کچھ اقتباسات پڑھتے ہوئے گذشتہ رات کے ایک جلوس پر بھی اظہار خیال کیا جس میں چند سو افراد نے "باہم جنس پرواز" کی قانونی اجازت کے حصول کیلئے مظاہرہ کیا تھا۔ وعظ کے بعد پادری نے دعوت عام دی کہ جو لوگ مقدس روح کی اشیر باد لینے یا کسی خاص مقصد کیلئے دعا کروانے کے خواہشمند ہیں، وہ آگے آجائیں۔

پادری اور دو نوجوان، ایک ایک خاتون کے ہمراہ جوڑوں کی صورت کھڑے ہو گئے۔ صنف ضعیف کی صورت میں لڑکی اور مردوں کیلئے مرد، دعا کے خواہشمند کے سر اور کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کچھ مناجات و دعا پڑھتے اور کچھ توجہ دینے کا عمل بھی۔ اکا دکا، اس عمل کے بعد لوٹ پوٹ بھی ہو جاتے اور عالم مدہوشی میں لیٹ بھی جاتے تھے۔ اس کاروائی کے بعد تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر سازو آواز سے پڑھنے والوں کا ساتھ دیا۔ دو اڑھائی گھنٹے کے بعد یہ کورس مکمل ہوا۔

دوران دعا، لفظ آمین بکثرت سنا گیا ہمارے ہاں کے آمین کی طرح معنی ان دونوں کا ایک ہی ہے۔ آخر میں پادری نے کچھ ماکولات و مشروبات کی دعوت دی۔ تعارف کا سلسلہ بھی جاری

رہا حاضرین کے ساتھ، ہمیں شاید راہ راست کے متلاشی جان کر خصوصی توجہ دی جا رہی تھی۔ چند نوجوان پرجوش انداز میں بتا رہے تھے کہ کیسے God اور یسوع مسیح نے انکو گناہ آلود (Sinful) زندگی سے نجات دلا کر پاکیزگی اور راحت عطا کر دی ہے۔ مجھے یہ نوجوان، دہرا ونک والے بن یامین کا Christion Version ہی لگے۔ دونوں ہی مطمئن تھے کہ راہ راست ان پر آسان ہوگئی ایک جذبے سے سرشار نوجوان نے آئس کریم کی دعوت دی جو میں نے بلا تامل قبول کر لی۔ مقصد ان لوگوں سے گفت وشنید تھا۔ اس دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ چند مقبولان بارگاہ خداوندی ہفتہ کے روز پکنک کیلئے ساحل سمندر جائیں گے اور ہم دونوں کے لیے بھی دعوت عام ہے۔ اشتیاق کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے میری منظور کردہ آئس کریم کی دعوت کو ایک چھوٹی مصروفیت کا بہانہ بنا کر ٹال دیا۔ میں نے البتہ ہفتے کے پروگرام کیلئے پادری سے ٹیلیفون نمبر لے لیا اور اسکو اپنے متوقع سوالات سے آگاہ بھی کر دیا۔

ہفتہ کی صبح ناشتہ جلدی کر کے پادری کو فون کیا تو جواب ندارد۔ ایک اور سرگرم رکن کا نمبر بھی اتفاق سے لکھا ہوا تھا۔ اس سے رابطہ کرنے پر پتہ چلا کہ ساڑھے سات بجے کا وقت ہے۔ (اس سے پہلے ساڑھے چھ بتایا گیا تھا۔) ہم احتیاطاً 7 بجے گرجا میں پہنچے تو کوئی اثر آثار کسی متنفس کے نہ تھے۔ کچھ دیر بعد ایک نوجوان نیند نامی پہنچ گیا۔ کانوں میں بالیاں پہنے ہوئے تھا۔ ہم تینوں Coffee کیلئے بیٹھ گئے۔ یہ نوجوان آٹھ سال منشیات اور ہر طرح کے لہو ولعب میں مبتلا رہ کر چند ماہ پہلے ہی تائب ہوا ہے اور اپنا علاج بھی کروا رہا ہے۔ ابھی مکمل صحت کی منزل خاصی دور ہے اپنی کایا پلٹ کا سبب گاڈ اور یسوع کی شفقت کو سمجھتا ہے۔ بہت زیادہ تذکرہ کئے جا رہا تھا کہ یہ خدا کی ذات ہی ہے جس نے مجھ پر خصوصی کرم کیا اور مجھے گناہوں کی زندگی سے نجات ملی۔ یہ سگریٹ بھی چھوٹ ہی جائیں گے۔ بڑھا ہوا پیٹ (زیادہ خوراک کے سبب) بھی اس کے نزدیک گناہ (Sin) کا درجہ رکھتا ہے۔

مجھے 22 سال پہلے فزکس کے لیکچرر منور سلہری کی بات یاد آئی جو انہوں نے نیکی اور بدی کے تذکرہ کے دوران کہی تھی۔ انکے بقول جو لوگ ایک دم بہت زیادہ مذہبی بن جاتے ہیں اور ہر قدم پر مذہب کا تذکرہ لے بیٹھتے ہیں اسکے پیچھے کہیں نہ کہیں احساس گناہ Guilt Concious

موجود ہوتا ہے۔اور یہ کیفیت ان لوگوں میں زیادہ پائی جاتی ہے جن کی زندگی غیر معمولی طور پر فسق و فجور سے ملوث رہی ہو۔

اتنے میں لوگ ایک ایک کرکے آتے چلے گئے اور قافلہ تیار ہوگیا۔ جو کہ تین کاروں پر مشتمل تھا۔ یہ پتہ چلنے پر خوشی دوچند ہوگئی کہ پروگرام ساحل سمندر سے تبدیل کرکے ایک دریا کا بنالیا گیا ہے۔جو کہ Karlovac کے قریب ہے۔

وجہ خوشی کی یہ تھی کہ چند دن پہلے مسٹر ٹام نے جو کہ Karlovac کے رہائشی ہیں، اپنے علاقے میں دریاؤں اور تفریحی مقامات کا ذکر اس انداز سے کیا کہ وہاں جانے کا اشتیاق پیدا ہوگیا۔لیکن چونکہ ایسے مقامات پر پبلک ٹرانسپورٹ سے پہنچنا مشکل ہوتا ہے اس لئے وہاں جانے کی خواہش پوری ہونا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔اب جو یہ پروگرام ساحل سمندر سے تبدیل ہوکر انہی دریاؤں کی طرف کا بن گیا تو مجھے محسوس ہوا کہ کارکنان قضا وقدر نے میری خواہش کے مطابق ان لوگوں کے ارادے کو تبدیل کردیا ہے۔

ہمارے ساتھ کار میں ایک نوجوان ویدران (Vedran) نامی بھی تھا جو نائب پادری کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔قانون کی تعلیم مکمل کرکے اب کچھ Administration میں ڈگری کے لئے پڑھ رہا ہے۔گپ شپ کے دوران معلوم ہوا کہ یہ لوگ کیتھولک نہیں ہیں بلکہ پروٹسٹنٹ ہیں۔کروشیا کا سرکاری مذہب کیتھولک ہونے کی وجہ سے یہ اقلیتی فرقہ ٹھہرا۔یہ اپنے تئیں خالص عیسائیت کے علمبردار ہیں۔یہ الگ بات کہ انکے اعتقادات اکثریت کو Acceptable نہیں، ہیں۔دریا پر پہنچ کر میں نے دیراونک سے خریدے ہوئے پلاسٹک کے گدے میں پھونکیں مار مار کر ہوا بھری اور کم گہرے پانی میں اسکے اوپر لیٹے رہنے اور تیرنے کا لطف اٹھایا۔گہرے پانی میں بھی جایا جاسکتا تھا لیکن Sofety first کے اصول نے یہ جرات نہ کرنے دی۔ایک بار کسی وجہ سے ذرا گہرے پانی کی طرف دھکیلا گیا تو بدحواسی کے سبب غرق دریا ہونے کے قریب تھا کہ وہاں موجود دو اشخاص نے دستگیری کی اور اس کی آفت ناگہانی سے نکالا۔کافی دیر دریا میں گزاری پھر ایک کشتی ہم دونوں نے کرائے پر لی اور ڈیڑھ گھنٹہ تک سیر دریا کی۔

کچھ دم لے کر نائب پادری سے گپ شپ شروع ہوئی۔ویسے تو عقائد پر بات شروع کرنے

سے پہلے اس سوال کا جواب واضح ہو جائے جو عم محترم نے ایک مکالمے میں خدائے **لَا یَــزَالُ وَلَمْ یَزَلْ** سے پوچھا ہے کہ

اس اہتمام خدائی کا مدعا کیا ہے؟
ستیزہ حق و باطل کا فائدہ کیا ہے؟
مآل کار حیاتِ گریز پا کیا ہے؟
نہ مانے تجھکو بشر تو مضائقہ کیا ہے؟

لیکن اس گتھی کو چھیڑے بغیر میں نے بات شروع کی کہ ہم Is beleif essential for human beings? کا جواب ہاں میں دے کر آگے چلتے ہیں۔

عقائد کو لیں تو کافی تعداد میں موجود ہیں۔اور ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ حق بجانب من است۔عموماً تو انسان جس عقیدے پر پیدا ہوتا ہے تھوڑی سی Refinement کے بعد اسی کے اندر حق کو پالیتا ہے۔زیادہ سے زیادہ مسلک تبدیل کرلیا۔چند گنے چنے لوگ کسی اور مذہب میں حق کو دریافت کرتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اس عقیدے کی کیا وقعت ہے جو انسان کو ماں باپ سے پیدائشی طور پر ملا؟ کیا انسان کیلئے اسی پر عمل پیرا ہونا کافی ہے؟

اس تمہید کے بعد میں نے ویدران سے پوچھا کہ کیا صداقت مختلف شکلوں میں پائی جاسکتی ہے؟ یعنی ایک سے زیادہ مذہب بیک وقت سچے ہوسکتے ہیں؟ جواب نفی میں تھا۔میں نے کہا اب صداقت کے دعوے دار تو بہت سے ہیں۔ایک متلاشی حق کس طرح شروع کرے اپنی تلاش اور کیا لائحہ عمل اختیار کرے؟ اصولاً تو سب کو پرکھ کر ہی کسی فیصلہ پر پہنچنا معقولیت ہے(خواہ اس میں پوری زندگی ہی گذر جائے)ویدران نے جواب دیا کہ اسے پرکھنا تو چاہیے سب کا تقابل کرکے۔

میں نے کہا کہ تم کو اپنے عقیدے کی درستی کا یقین ہے؟ بولا سو فیصد پوچھا کہ تم نے قرآن کو پڑھا؟ کیونکہ دنیا میں ایک بڑی تعداد اس کو ہی واحد ذریعہ نجات سمجھتی ہے۔کہنے لگا مجھے قرآن ترجمے والا کہیں ملا ہی نہیں۔میں نے پوچھا کہ تمہارا فیصلہ صداقت تک پہنچنے کا کیسے صحیح ہوا جبکہ تمہارا Data ہی Incomplete ہے؟ کہنے لگا۔میرے ماں باپ کیتھولک تھے لیکن میں نے سچائی کی تلاش کی اور اب میں راہ حق پاچکا ہوں جو صحیح معنوں میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے عین

مطابق ہے۔میں نے پوچھا کہ صداقت کو پرکھنے کا کوئی پیمانہ ہے تمہارے پاس؟
بولا کہ مجھے اپنے محسوسات کے ذریعے ایک رہنمائی ملتی ہیں۔اطمینان قلب اور ابدی مسرت اس بات کی علامت ہیں کہ یہی حق ہے۔میں نے کہا۔ویدران ۔یہ سب چیزیں تو مجھے بھی حاصل ہیں اسلام میں رہتے ہوئے۔
تم قرآن کو جانے بغیر یہ سمجھتے ہو کہ حق کا گذر وہاں ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح میں بائبل کو نا قابل عمل اور تحریف شدہ عبارت سمجھ کر اسے پڑھنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا،تو ہم دونوں کے اخذ کئے ہوئے نتیجہ کی کیا حیثیت ہے؟
میں نے پوچھا کہ بائبل تم سے جن اعمال کا تقاضا کرتی ہے ان پر عمل پیرا ہو جانا کافی ہے؟ نجات کیلئے۔بولا کہ نہیں ۔یسوع مسیح کی بھیڑ بنے بغیر تو نجات ممکن نہیں کیونکہ انہوں نے خود کہا ہے کہ جس کو حق اور سچ چاہیے اسے میرے پاس ہی آنا ہوگا۔میں نے کہا اتنے سچ اور وہ بھی ایسے کہ ایک سچ دوسرے کو سچ تسلیم کرنے کو تیار نہیں،ایک غیر جانبدار اور غیر متعصب شخص اگر آمادہ ہو ہی جائے تلاش حق پر تو بیچارہ حیران اور سرگرداں ہی ہوگا۔
اس نے مجھے متلاشی حق جانتے ہوئے دو کتابوں کا تذکرہ کیا جو دو خواتین نے لکھی ہیں۔ (ایک بلقیس شیخ اور دوسر کا نام یاد نہیں)دونوں اسلام سے منحرف ہو کر عیسائیت اختیار کر چکی ہیں اور بقول انکے حق تک رسائی ہوگئی انکی ۔تعلق دونوں کا پاکستان سے۔اگلے روز پھر اتوار تھا۔ان لوگوں کے اخلاص (جس کی وجہ یقیناً ان کی مشنری جذبہ ہی تھا۔اہل تبلیغ کے اخلاص و محبت کی مانند جو محض اپنے ثواب میں اضافے کیلئے ظاہر کیا جاتا ہے۔اگر حقیقتاً ہوتو شاید صورت حال مختلف ہوتی معاشرے کی ۔یہ لوگ تو گنہگاروں کو استعمال کرتے ہیں منازل پارسائی طے کرنے کیلئے سیڑھی کے طور پر) کی وجہ سے ہم پر پھر پہنچ گئے لیکن نصف سے زیادہ وقت گزار کے۔
پہنچے تو ویدران خشوع وخضوع سے نہایت Involvement کے ساتھ وعظ کر رہا تھا۔ ترجمان کے طور پر ایک لڑکی ثانیا نامی ہم دونوں کے درمیان تھی جسکو سمجھنا ویدران کے بلند بانگ وعظ کے ہوتے ہوئے ناممکن تھا۔
وعظ کے بعد حسب سابق پادری،نائب پادری اور ایک تیسرا شخص ایک ایک خاتون معاون

(خواتین کو اشیر باد دینے کیلئے) کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور خواہشمند حضرات کو کہا گیا آگے آنے کو۔ میں نے ہمت کی اور ویدران کے پاس جا کر کہا کہ میرے لئے یسوع مسیح سے دعا کرو کہ مجھے طہارت روح اور ادراک حقیقت نصیب ہو۔ اس نے ایک ہاتھ میرے کندھوں پر ایک سر پر رکھ کر نہایت توجہ سے کچھ جاپا پھر پوچھنے لگا کہ آپ جانتے ہو کہ یسوع خود آپ کو کوئی نشانی بتائیں اور رہنمائی کریں تلاش حق ہیں؟ میں نے کہا زہے نصیب۔

کہنے لگا پھر جو میں کہوں اسے دہراتے جائیں۔ اسی جذبے میں سرشار، اس نے مجھے بے ضرر سے کلمات پڑھوائے۔ ویدران کی لگن اور سرشاری اپنے اعتقادات اور مشن کے ساتھ قابل رشک تھی لیکن میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس عمر میں انسان ایسے ہی جوش خروش کا مظاہرہ کیا کرتا ہے کسی بھی مسلک کیلئے جس سے اس کا نیا تعارف ہوا ہو بلکہ جس کو اس نے خود ''دریافت'' کیا ہو۔ اس محفل وعظ ومناجات کے بعد معمولی سا اہتمام تھا ماکولات ومشروبات کا۔ کتابیں دونوں مرتد خواتین کی میرے حوالے کیں انہوں نے اس عزم کے ساتھ کہ یہ میرے لئے بہت مفید ثابت ہوں گی۔

آئس کریم کی دعوت دی حسب سابق ان لوگوں نے (اپنے اپنے خرچ پر) ترگ بانا کے نزدیک ایک مقام پر پہنچے۔ اشتیاق کو ایک کم عمر جوڑے کے پاس جگہ ملی۔ اس لئے اٹھنے کیلئے اس کی طرف سے کوئی تحریک نہیں آئی کیونکہ اس لڑکی کے ساتھ کچھ موضوعات انہوں نے چھیڑ رکھے تھے۔ میں نے ویدران سے نوک جھونک جاری رکھی۔ اٹھتے ہوئے میں نے کہا ویدران۔ سچ سچ بتانا۔ اگر مجھے یسوع مسیح نے اپنی زیارت سے مستفیض کیا اور یہ کہہ دیا کہ تم جس عقیدے پر ہو وہی راہ حق ہے تو تم تسلیم کرو گے اس بات کو۔ خوب محظوظ ہوا لیکن اثبات میں جواب دینے سے اسکی برسوں کی ریاضت باطل ٹھہرتی۔ اسلئے وہ چپ رہے۔ وہ ہنس دیئے!

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

تعمیر ملت

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

چراغ راہ

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

طریقتِ توحیدیہ

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں :-
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net